انور راشد کی یاد میں نشست

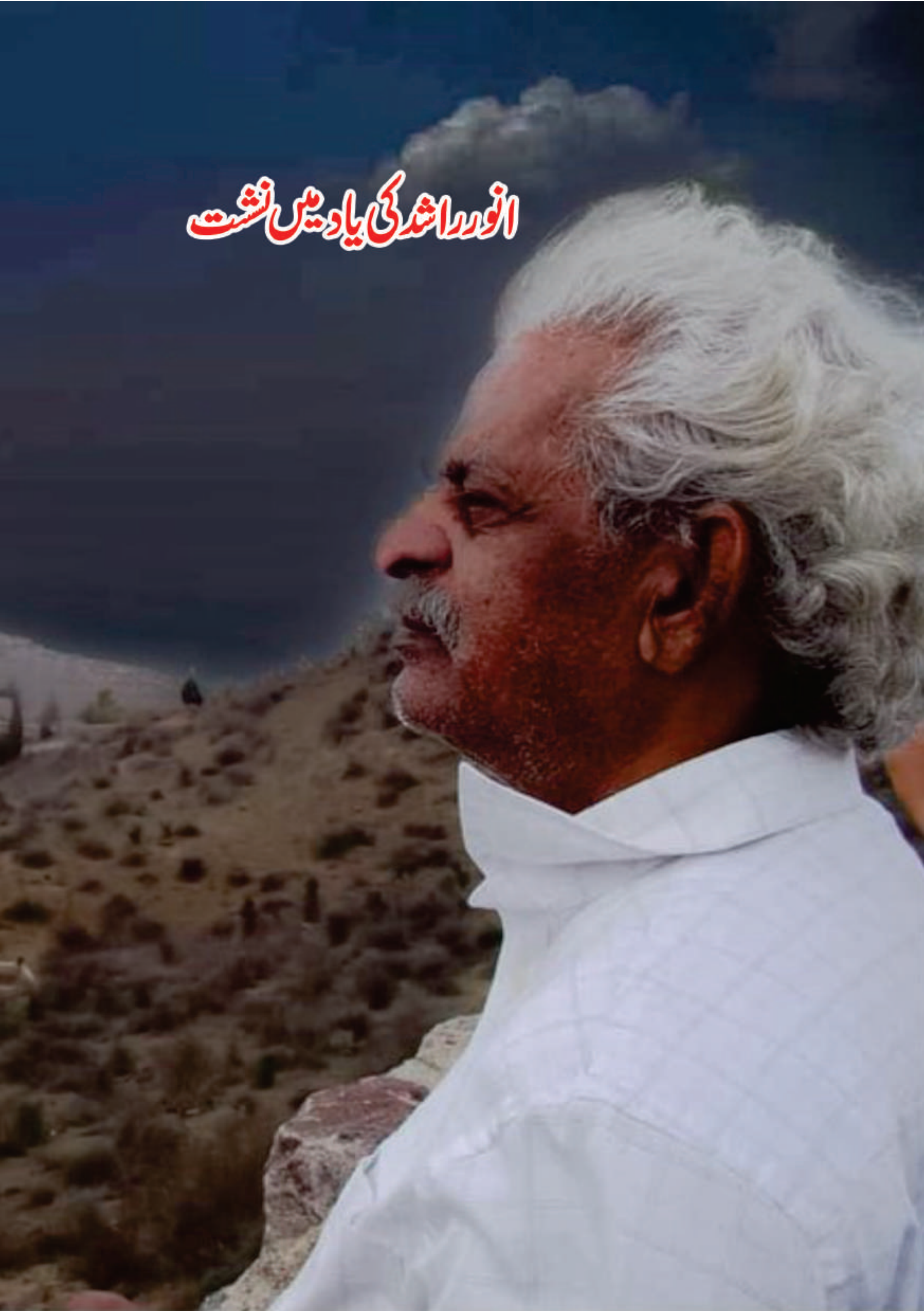

انور راشد کی یاد میں تعزیتی نشست

2 فروری 2022

مرتب:

سیما لیاقت

اربن ریسورس سینٹر

ویسٹ لینڈ ٹریڈ سینٹر A-2 دوسری منزل، شہید ملت روڈ، نزد بلوچ کالونی پل۔ کراچی

فون نمبر: 2 34387692(21 92)

ٹرانسکرپشن:

کشف ناصر

ادارتی ٹیم:

محمد یونس

رضوان الحق

سیما لیاقت

نظم

کوئی گھر نہیں ہے

در ہی در ہے ہمارے چاروں طرف
در تو ہے، کوئی گھر نہیں ہے
سوچئے تو یہاں پہ سب کچھ ہے
دیکھنے کو مگر نظر نہیں ہے

قتل ہوتا رہا ہے روز و شب
شہر میں کوئی ڈر نہیں ہے
خوف سے ہو گیا ہوں بے خوف
جیب میں کوئی زر نہیں ہے

آپ کہتے ہیں تو نذر کرتا ہوں
پیش کرنے کو سر ہے، زر نہیں ہے

انور راشد

انور راشد

(حالاتِ زندگی)

انور راشد بھارت کے شہر پٹنہ میں 1948 میں پیدا ہوئے۔ چٹاگانگ کے سٹی کالج سے اعلیٰ نمبروں سے ISC کا امتحان پاس کیا۔ اپنے والدین کے ہمراہ انڈیا سے بنگلہ دیش ہجرت کی۔ مختصر قیام کے بعد پاکستان (کراچی) میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ انور راشد نے کراچی شہر میں اپنی تعلیم کو مکمل کیا۔ جامعہ کراچی سے ایم اے اور پھر ایم ایس اکنامکس کی ڈگری حاصل کی۔ جس کے بعد اسی یونیورسٹی میں انہیں لیکچررشپ کی ملازمت مل گئی۔

مگر چونکہ قسمت کو ان سے کچھ اور ہی کام لینے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ڈاکٹر اختر حمید نے انہیں اورنگی پائلٹ پروجیکٹ کا حصہ بننے کی دعوت دی۔ یہ 1983 کا زمانہ تھا۔ اس وقت او پی پی کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ انور راشد نے ڈاکٹر صاحب کی دعوت کو اعزاز سمجھتے ہوئے کراچی یونیورسٹی کی ملازمت کو خیرباد کہا اور او پی پی میں شمولیت اختیار کی۔ شروع کے ادوار میں وہ ڈاکٹر صاحب کی ریسرچ ٹیم کا حصہ رہے۔ انہی دنوں میں پروین رحمان نے بھی ادارہ میں شمولیت اختیار کرلی تھی اور یوں ان دونوں نے ڈاکٹر صاحب کی ٹیم میں شامل ہوتے ہوئے ایک ساتھ کام کو سمجھنا شروع کیا۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے فلسفہ کو بہت قریب سے دیکھا اور سیکھا۔ انور راشد نے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کام کرتے ہوئے مائکرو کریڈٹ پروگرام کو کامیابی سے چلایا۔ اورنگی چیریٹیبل ٹرسٹ کو نمایاں کردار دلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ساتھ ہی انہوں نے کراچی سے باہر بھی مائکرو کریڈٹ پروگرام چلانے کے لیے دیگر تنظیموں سے رابطہ کیا اور تنظیم سازی بھی کی۔ کئی بین الاقوامی وزٹ کیے۔ جہاں ہمیشہ اپنے ادارہ کی کارکردگی کو بیان کرتے۔

انور راشد او پی پی کے علاوہ اربن ریسورس سینٹر (یو آر سی کراچی) کے بھی بانی ممبر تھے۔

وائس چیئرمین کی حیثیت سے ہمیشہ انہوں نے یوآرسی کے لیے سوچا اور اس کا کام بڑھانے میں دلچسپی کا اظہار کرتے تھے۔

انور راشد کے کریڈٹ پر کئی پروگرام ہیں۔انہوں نے کئی تنظیموں کی بنیاد رکھنے میں معاونت فراہم کی اور ہمیشہ ان کی حوصلہ افزائی کی۔کمیونٹی ڈیولپمنٹ نیٹ ورک(CDN) کی بنیاد رکھی۔جس کی ممبران کی تعداد 60 سے زائد تھی۔یہ انور راشد کا ایک غیر معمولی کام تھا جو ان کی فکری سوچ کا عملی نمونہ ہے۔

انور راشد درویش منش انسان تھے۔سادہ زندگی گزارتے۔مزاج صوفیانہ تھا۔درگاہوں مزارات پر عقیدت محسوس کرتے تھے۔ 2006 کے بعد سے انور راشد اکثر یہ کہتے پائے گئے کہ ان کا کام اب یہاں مکمل ہوگیا ہے۔لہٰذا وہ اب سندھ کے کسی دور دراز علاقے میں جا کر بسنا چاہتے ہیں۔ مگر ان کا کام ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔اسی لیے وہ اپنے خواب کو عملی شکل نہ دے سکے کیونکہ 2010 کے سیلاب نے جو تباہی مچائی اس کے لیے انور راشد خود اپنی ٹیم کے ساتھ ان متاثرین کی آبادکاری کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور پھر 2013 میں پروین رحمان کی شہادت کے بعد ان کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوتا گیا یوں ان کی گوشہ نشینی والی بات ادھوری ہی رہ گئی۔

انور راشد کی زندگی کا یہ پہلو بھی دلچسپ ہے کہ وہ فنونِ لطیفہ سے شغف رکھتے تھے۔اسی لیے وہ پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کے ساتھ ہی اپنے شوق بھی جاری رکھے ہوئے تھے۔مطالعہ کا ذوق رکھتے تھے۔شاعری نہ صرف پڑھتے تھے بلکہ خود بھی شاعری کیا کرتے۔موسیقی کے بے حد دلدادہ تھے بالخصوص لوک موسیقی انہیں اپنی طرف لبھاتی تھی۔کھیل میں فٹبال اور کیرم بہت پسند تھے۔کیرم میں خاص مہارت تھی جس کی بناء پر شہر کی سطح پر ہونے والے مقابلوں میں ایوارڈ حاصل کر کے کیرم چیمپئن بن گئے۔پودے اور جانوروں کے ساتھ وقت گزارنا پسند تھا۔شاید یہی شوق تھے جن کی بدولت وہ ہمیشہ زندہ دلی کا مظاہرہ کرتے پائے جاتے۔غریب پرور اور سادہ انسان تھے۔غریبوں

کے لیے تعلیم آسان اور مفت کرنے کی بات کرتے تھے۔انور راشد کو پھیپھڑوں کے کینسر کی تشخیص ہوئی لیکن ان کی زندہ دلی نے اس مرض کو ان پر حاوی نہ ہونے دیا حتٰی کہ اپنی بیماری کے دنوں میں بھی وہ کہتے تھے کہ میں بالکل ٹھیک ہوں بس مجھے بہت کچھ ٹھیک کرنے کے لیے تین سال کی مہلت چاہیے۔آگے مستقبل کے پروگرام بناتے رہتے تھے۔لیکن افسوس کہ صرف ایک سال کے اندر اس بیماری کے نتیجہ میں ان کا انتقال ہوا۔یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ اس بیماری نے انور راشد کی لاابالی طبیعت اور مزاج پر کوئی خاطر خواہ اثر نہ کیا۔

خدا انور راشد کو اپنے جوارِ رحمت میں خاص جگہ دے۔آمین

☆-----------☆-----------☆-----------☆

اقتباس

نظم: تم ایک مہتی لڑکی سے ڈر گئے

جن کے پیروں میں جوتی نہیں
ان لبوں پر تبسم بکھر جائے گا
لہلہاتے ہوئے کھیت میں
چوڑیوں کی کھنک، گال پر رقص کرتی ہوئی بالیاں
اس محبت کے پیغام کو امن کے دوش پر عام کرتی رہے گی

انور راشد

انور راشد اربن ریسورس سینٹر کے وائس چیئرمین تھے۔ یوآرسی کی تنظیم سازی میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے ہمیشہ لوگوں کو اپنی تنظیم، ادارہ بنانے کی ترغیب دی، دوسرے لفظوں میں وہ کمیونٹی کو خودمختار دیکھنا چاہتے تھے۔

اربن ریسورس سینٹر نے انور راشد کی یاد 2 فروری 2022 کو میں ایک تعزیتی اجلاس رکھا جس میں ملک بھر سے ممتاز شخصیات اور سماجی کارکنان نے شرکت کی اور راشد صاحب کو ان کے کام اور مزاج کی بدولت خراجِ تحسین پیش کیا۔

جس کی تفصیلی روداد پیش ہے۔

عارف حسن: دوستو! ہم آج انور راشد کی یاد میں جمع ہوئے ہیں۔ آج اس تعزیتی جلسہ کا یہی مقصد ہے کہ ہم انور راشد کے کام، شخصیت اور زندگی کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالیں۔ انور راشد اورنگی پائلٹ پروجیکٹ کے ڈائریکٹر تھے انہوں نے مائیکرو کریڈٹ پروگرام کو قائم کرنے اور اسے آگے بڑھانے میں بہت مدد کی۔ بدقسمتی سے وہ کینسر کے عارضہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے بہت تکلیف میں رہے اور 26 جنوری کو اس موذی مرض کے نتیجہ میں ان کا انتقال ہوا۔ میں اپنے ساتھیوں سے کہوں گا کہ باقاعدہ اس پروگرام کا آغاز کریں۔

زاہد فاروق: آج کا یہ جلسہ انور راشد صاحب کے نام ہے۔ انور راشد صاحب اورنگی پائلٹ پروجیکٹ کے ڈائریکٹر کے علاوہ اربن ریسورس سینٹر کے وائس چیئرمین بھی تھے۔ انہوں نے ہمیشہ یوآرسی کی بہتری کے لیے سوچا۔

انور راشد سے متعلق چند اہم باتیں میں دوستوں کو بتادوں کہ انور راشد 1947 میں انڈیا کے شہر پٹنہ میں پیدا ہوئے وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ جس کے بعد اپنے والدین کے ساتھ پاکستان (کراچی) آگئے۔ کراچی یونیورسٹی سے معاشیات میں ایم اے کرنے کے بعد کراچی یونیورسٹی میں ہی لیکچرر کی حیثیت سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا۔ 1982 میں ڈاکٹر اختر حمید خان کی

خواہش پروہ اورنگی پائلٹ پروجیکٹ آئے اوراس کے بعدان کااو پی پی سے ایسا رشتہ جڑا جسے انہوں نے آخری دم تک نبھایا۔

راشد صاحب نے اپنی ذات میں کئی کام کیے۔آزادکشمیر اور بالاکوٹ میں زلزلے اور 2010 کے سیلاب کی آفت کے ابعدنہوں نے متاثرہ افراد کی آباد کاری کے لیے کام کیا۔انہوں نے اورنگی چیئرٹیبل ٹرسٹ کے کریڈٹ پروگرام کو بڑھایا۔کم آمدنی والے طبقوں کواربوں روپے قرض کے طور پر دیئے تاکہ لوگ اپنی مدد آپ کے تحت معاشی حیثیت میں مضبوط ہوسکیں اور اپنی کمیونٹی،علاقے اورملک کی ترقی میں اپنا کردارادا کریں۔انور راشد ہمیشہ عوام کی بات کرتے تھے اورغیر معمولی طور پرلوگوں کی مدد کے لیے آمادہ رہتے تھے۔انہوں نے بلا رنگ،نسل اور مذہب کے یہ کام کیا۔انور راشد کی یہ خدمات ہمیشہ یادرکھی جائیں گی۔

ڈاکٹر اختر حمید خان کے ساتھ کام کرنے والوں میں کئی لوگ موجود تھے جو ہمارے لیے ایک رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں۔جس میں عارف حسن صاحب،غلام کبریا، پروین رحمان،تسنیم احمد صدیقی اور انور راشد جیسے لوگ شامل ہیں۔بدقسمتی سے انور راشد کے دو ہی دن بعد ہمیں ایک اور بڑا نقصان برداشت کرنا پڑا جوتسنیم احمد صدیقی صاحب کے اچانک چلے جانے سے ہوا۔انور راشد کی بیماری کے دنوں میں تسنیم احمد صدیقی صاحب اوسی ٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے اوسی ٹی کے معاملات دیکھ رہے تھے۔انور راشد کے اس دنیا سے جانے کے بعد بہت ساری امیدیں اور سوچ کے دھارے تسنیم احمد صدیقی کی طرف موڑ لئے گئے تھے کہ اب وہ کام تسنیم احمد صدیقی آگے بڑھائیں گے جو انور راشد کررہے تھے لیکن صرف دو دن بعد یعنی 28 جنوری کی شام تسنیم احمد صدیقی بھی خاموشی سے چل دیئے۔ان دو بڑے نقصانات کی تلافی مشکل ہے۔

آج یہاں مختلف کمیونٹی، اداروں اورسول سوسائٹی کے لوگ موجود ہیں جن میں بہت سے لوگ اندرونِ سندھ سے کئی گھنٹوں کا سفر کرکے انور راشد کی محبت میں ان کوخراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے یہاں آئے ہیں۔ان کی دیہی اور شہری علاقوں میں بے تحاشہ خدمات رہی ہیں۔انور راشد

کے جنازے میں لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد دیکھنے میں آئی۔انہیں ہم ہمیشہ یاد رکھیں گے۔
غلام کبریا، حفیظ آرائیں، نورالدین سیفی اور وہ دوست جو اب ہم میں نہیں ہیں لیکن ان کا کام ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔مشکلات ہوتی ہیں۔کبھی کبھی موسم نامناسب اور نا خوشگوار ہوتا ہے لیکن کام تو کرنا ہے اور مشن کو آگے بڑھانا ہے۔کس طرح آگے بڑھانا ہے اس کے لیے راہیں نکالنی ہیں۔ان کا عزم کم آمدنی والے طبقے کی معاشی بہتری تھا۔اب ہمیں اس کام کو انفرادی طور پر آگے بڑھانا ہے۔

اس اجلاس میں سول سوسائٹی کے بڑے نام ایک ساتھ موجود ہیں۔ہم سب نہایت رنجیدہ ہیں کہ انور راشد صاحب آج ہمارے درمیان نہیں ہیں۔انور راشد پر باتیں کرنے سے قبل ضروری ہے کہ ان کے لیے دعائے خیر کی جائے۔جس کے لیے ہم اپنے ساتھی اور آڈیٹر کامران عادل سے درخواست کریں گے کہ وہ دعا کا فریضہ انجام دیں۔

دعائیہ کلمات

زاہد فاروق: ہم سب لوگ انور راشد کے لیے بات کرنا بھی چاہیں گے اور انہیں سننا بھی چاہیں گے۔کوشش کریں گے کہ باری باری سب ہی اپنے تاثرات کو بیان کرسکیں۔

مہناز رحمان (عورت فاؤنڈیشن): بدقسمتی سے میں انہیں ذاتی طور پر نہیں جانتی تھی لیکن اورنگی پائلٹ پراجیکٹ اور اربن ریسورس سینٹر کے کام سے ہم ساری سول سوسائٹی کے لوگ اتنے جڑے ہوئے ہیں اور اتنے متاثر ہیں کہ یہ لوگ ہمیں اپنے خاندان کی طرح ہی لگتے ہیں۔بلکہ میں کہتی ہوں کہ یہ مخصوص صفات کے حامل لوگ ہیں جو آہستہ آہستہ ختم ہو رہے ہیں۔کیونکہ ایسے لوگ اب بہت کم رہ گئے ہیں جو صحیح معنوں میں معاشرے میں تبدیلی لانا چاہتے تھے۔جو غریبوں کے لئے سوچتے تھے۔پروین کے قتل کے بعد انور راشد سے زیادہ ملاقاتیں رہیں۔پروین رحمان کا قتل آپ کے ادارہ کا ایک بڑا نقصان تھا لیکن اس کے ساتھ ہی ایک عورت ہونے کی حیثیت سے، خواتین کے لیے ایک فعال کارکن کی حیثیت سے اور پھر ویمن ایکشن فورم کی ممبر ہونے کی حیثیت

سے ہم عورتوں کو پروین رحمان کے قتل کی بہت زیادہ تکلیف، بہت زیادہ دکھ ہوا تھا۔ پھر پتہ چلا کہ انور راشد کے پیچھے بھی دہشتگرد لگ گئے تھے جس کی وجہ سے انہیں انڈر گراؤنڈ ہونا پڑا تو اس زمانے میں مختلف اجلاس میں، میں نے انہیں دیکھا۔ مجھے ان سے بات چیت کا زیادہ موقع نہیں ملا لیکن مجھے یہ اچھی طرح پتہ ہے کہ وہ ہمارے ہی قبیلہ کے تھے۔ وہ ان چند لوگوں میں سے تھے جنہیں میں مخصوص صفات کے ساتھ دیکھتی ہوں۔ اب یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ان کے مشن کو آگے بڑھائیں۔ بہت شکریہ۔

ملکہ خان (عورت فاؤنڈیشن): خیر پور یونیورسٹی کے ایک پروگرام میں میری انور راشد سے تفصیلی ملاقات ہوئی۔ وہ پروگرام شام میں بہت دیر سے شروع ہوا تھا۔ میں شاید جیکب آباد سے وہاں گئی تھی۔ چونکہ تاخیر ہوگئی تھی اسی لیے انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کہاں رکیں گی؟ کہاں جائیں گی؟ میں نے کہا کہ مجھے واپس سکھر جانا ہے۔ تو فکرمندی سے کہنے لگے کہ نہیں ابھی اتنی رات ہوگئی ہے آپ سکھر واپس نہ جائیں۔ میں نے کہا نہیں یہاں سے صرف 45 منٹ کا راستہ ہے۔ میں آرام سے سکھر چلی جاؤں گی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تو وہ کافی اصرار کر رہے تھے کہ آپ کو نہیں جانا چاہیئے۔ لیکن میں نے کہا نہیں میرے پاس گاڑی ہے میں چلی جاؤں مجھے کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ میں ان کے اس طرح فکرمند ہونے کو نہیں بھول سکتی۔ جیسے مہناز نے بھی کہا کہ پروین رحمان کے قتل کے بعد سماعت کے لیے کورٹ میں جانا ہوا تو اس وقت میری بھی انور راشد سے کافی ملاقاتیں ہوئیں۔ اس کے علاوہ او پی پی کی جب بھی سالانہ تقریبات ہوتی تھیں وہ ہمیں ہمیشہ یاد رکھتے تھے ہماری ان سے ملاقاتیں ہوئیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ پروین کے بعد ان پر بہت زیادہ ذمہ داری پڑ گئی تھی اور وہ ان تمام ذمہ داریوں کو اچھے سے نبھا رہے تھے۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ان کے کام کو جاری رکھیں۔

کرامت علی (پائیلر): تمام دوستوں کو السلام علیکم۔ اورنگی پائلٹ پروجیکٹ سے میرا تعلق اس وقت سے ہے جب یہ ادارہ قائم ہوا۔ اس وقت سے ہی میرا ان سب دوستوں کے ساتھ رشتہ ہے۔ سب سے پہلے تو میں اس بات کا اظہار کرنا چاہوں گا کہ ابھی تک ہم پروین رحمان کے قتل کا افسوس

کرتے آئے تھے ۔ یہ خلاء ابھی پر نہ ہوا تھا کہ پچھلے دو دنوں میں انور راشد اور تسنیم احمد صدیقی بھی چلے گئے ۔او پی پی میں یہ دونوں ہمارے ساتھی تھے ۔ان کی بہت ذمہ داریاں تھیں ۔میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم الگ سے ایک میٹنگ رکھیں جس میں وہ تمام دوست جو او پی پی اور باقی کاموں کے ساتھ جڑے ہوئے تھے ۔میری گزارش ہے ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد ان کے کاموں کو جاری رکھنے اور مزید وسیع کرنے کے حوالے سے بات کریں ۔۔عارف صاحب سے میری گزارش ہے کہ آپ کے پاس وقت ہو تو آپ ایک میٹنگ رکھ لیجیئے گا اور ہم سارے دوست جو آج یہاں موجود ہیں ہم مل کر ایک لائحہ عمل بنائیں ۔

دوسری بات یہ کہ ہمارے جتنے بھی ساتھی اس دنیا سے چلے گئے ہیں ان کی یاد میں ایک بڑا پروگرام کرنے کی ضرورت ہے اور ان کے پیغام کو لوگوں کے سامنے لے کر جانے کی بھی ضرورت ہے ۔لوگوں کو پتا ہونا چاہیئے کہ او پی پی سے جو لوگ چلے گئے ہیں آیا ان پر ظلم ہوا یا تشدد ہوا ۔اور یہ کام سب لوگوں کا مشترکہ ہے ۔ یہ کام نہیں رکے گا اور مزید لوگ اس میں اپنا حصہ ڈالیں گے ۔ یہ بہت ضروری ہے کہ ہم یہ دو چیزیں کریں اور الگ الگ چھوٹے چھوٹے اجلاس کرنے کے بجائے ایک بڑا پروگرام کرنا چاہیئے جس کا لوگوں پر بھی اثر ہو ۔

ہمارے تمام ساتھیوں نے مشکل ترین حالات میں بھی خدمات انجام دیں ۔ہمیں معلوم ہے کہ انور راشد کے خلاف کس طرح کی دھمکیاں اور مختلف تشدد کے طریقے اپنائے گئے ۔لیکن میں ان کو سلام پیش کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے اپنے مسئلے پر کبھی بات کرنے کی کوشش نہیں کی ۔ہمیشہ اجتماعی مسائل پر غور کیا ۔اور بہت ہمت کے ساتھ تمام صورتحال کا مقابلہ کیا ۔میں انور راشد اور تسنیم صاحب کو اپنی اور اپنے تمام ساتھیوں کی طرف سے سلام پیش کرتا ہوں ۔ہم سب ایک خاندان کی طرح ہیں اور میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ ان دونوں کی خبر سننے کے بعد یہ دو دن اس طرح گزرے ہیں کہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں؟ یہ کیسا طوفان آ گیا ہے ۔ بدقسمتی سے میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی ۔ میں کورونا وائرس کا شکار ہونے کے باعث رش والی جگہوں پر جاتے ہوئے احتیاط کر رہا تھا اس

وجہ سے میں ان کے جنازے میں بھی شریک نہیں ہوسکا۔میری گزارش ہے میری ان دوتجاویز پر غورکیا جائے اورمزید کچھ پروگرام منعقد کیے جائیں۔بہت شکریہ۔

سلیمان جتوئی (حیدرآباد): انور راشد سے میری وابستگی 1993 سے ہے۔ہم زیادہ تر بین الاقوامی دوروں پر اکھٹے رہے ہیں۔دنیا میں بہت سارے ممالک میں جانا ہوا جہاں میں اور انور راشد ساتھ رہے۔میں سمجھتا ہوں کہ ان کے کاموں کی بدولت پاکستان میں ان کا بہت بڑا حصہ (contribution) ہے۔جہاں کہیں بھی لوگوں کی بات ہوتی تھی تو وہ اپنے موقف کے ساتھ لوگوں سے جڑے رہتے تھے۔انور راشد اپنی ذات میں ایک بہت بڑے انسان تھے۔میرے خیال میں انسانوں کے ساتھ انور راشد کی ایسی وابستگی تھی کہ وہ دن رات لوگوں کے ساتھ مسلسل فیلڈ میں رہتے تھے۔اور یہی انور راشد کا انسانوں کے لیے ایک خاص حصہ ہے۔بین الاقوامی سطح پر بھی وہ عام لوگوں کا موقف ہوا کرتے تھے۔انور راشد جس طرح عام لوگوں سے جڑے ہوئے تھے اس سوچ کو مزید مستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔پاکستان خاص طور پر سندھ میں جس طرح کے حالات ہیں ان کی بہتری کے لیے انور راشد جیسے شخص کی سوچ اور کام کو مزید جاری رکھنا لازمی ہے۔اس کے علاوہ او پی پی کے تمام دوست جس میں حفیظ آرائیں، پروین رحمان صاحبہ اور دیگر لوگ شامل ہیں۔ان کی انور صاحب سے بہت زیادہ وابستگی رہی تو میں سمجھتا ہوں کہ اتنے زیادہ تجربات رکھنے والے لوگوں سے جڑنے کا جو عمل ہے اس میں کوئی فاصلہ نہ آئے لیکن آج کے دور میں لوگوں کے پاس جو سوچ ہے جو عمل ہے وہ مجھے اس طرح نظر آتا ہے کہ:

ے جو پہنچ گئے ہیں منزل کو انہیں ناز سفر نہیں
جو دو قدم ابھی چلے ہی نہیں رفتار کی باتیں کرتے ہیں

ایسے لوگوں کے تجربات، کام اور لوگوں سے جڑے رہنے کے عمل کو بڑھانا چاہیئے۔ہم اکثر کام کے سلسلہ میں غیر ملکی دورے کرتے تھے۔اسی طرح ایک بار ہم فلپائن میں تھے۔میں اور انور راشد الگ الگ جگہ ٹھہرے ہوئے تھے۔اچانک میری طبیعت خراب ہوگئی جب ان کو پتہ چلا کہ میری

طبیعت خراب ہے تو اپنا ہوٹل چیک آؤٹ کر کے میرے ساتھ آ کر رہے۔وہ دوسرے کا درد بہت محسوس کرتے تھے۔بین الاقوامی سطح پر ہم نے بہت وقت ایک ساتھ گزارا ہے۔چاہے ہم امریکہ گئے ہوں، پیرس گئے ہوں، جنوبی ایشیا میں، مشرقی ایشیا میں بہت سارے مما لک میں ہم دوست رہے۔اس لئے میں نے ان کے لیے فیس بک پر یہ تاثر لکھا تھا کہ ایک خوددار انسان ہم سے جدا ہوگیا۔وہ ایک ایسا انسان تھا جو کہتا تھا کہ:

ع محبت تم سے ہے مگر تیری دہلیز کو سجدہ نہ کروں گا

وہ ایسا خوددار انسان تھا جس کے ساتھ بہت زیادتیاں ہوئیں جن کا اس نے کبھی اظہار نہیں کیا بلکہ ہمیشہ لوگوں کی بات کی۔وہ ہمیشہ لوگوں کے مسائل کی نشاندہی کرتے رہے۔میں سمجھتا ہوں کہ ایسے خوبصورت ذہن مزید پیدا کرنے کی ضرورت ہے جس سے انور راشد کے کام میں تسلسل پیدا ہوگا جو قائم رہے گا اور ہمیشہ رہنا چاہیئے۔مہربانی۔

محسن اعظم (اقوام متحدہ): میں اقوام متحدہ کے ادارے انٹرنیشنل ٹیکس سینٹر سے وابستہ ہوں۔ظاہر ہے انسان کی شخصیت کے مختلف پہلو ہوتے ہیں ایک اس کا پیشہ ورانہ پہلو ہوتا ہے اور ایک اس کا ذاتی پہلو ہوتا ہے۔پیشہ ورانہ پہلو کا تعلق صبح 9 سے شام 5 بجے تک ہوتا ہے اور جو ذاتی معاملات ہوتے ہیں وہ 5 بجے (یعنی دفتری اوقات) کے بعد ہوتا ہے۔میں ان کا ذاتی تعلق والا ساتھی ہوں۔حیدرآباد میں اکثر ہماری 5 بجے کے بعد گپ شپ ہوتی تھی۔میں نے بہت ساری چیزیں ان سے سیکھی ہیں۔مثلاً انسان مختلف مراحل سے گزرتا ہے۔بچپن کے خیالات اور رویے مختلف ہوتے ہیں۔جوانی میں کچھ اور ہوتے ہیں اس کا جوش و جذبہ ایسا ہوتا ہے وہ فرش تو کیا عرش کے خداؤں سے بھی لڑنے پر مجبور کر دیتا ہے۔لیکن آخر میں آ کر قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ایک مرتبہ میں نے انور راشد سے پوچھا کہ سائیں بہت عمر ہوگئی ہے تو اوپر کا بھی تھوڑا حساب کتاب سوچ لیا جائے۔مجھے کہتے ہیں کہ تم مجھے ڈرا رہے ہو؟ میں نے کہا ڈرا نہیں رہا ہوں۔ہم نے بڑے بڑے لوگ دیکھے ہیں جنہوں نے آخر میں آ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔کئی ماہ مزاروں پر جا کر بیٹھے۔کوئی

مسجدوں میں جا کر بیٹھے۔ ایسے ہی ایک مرتبہ ہم مرحوم وقار ملک کے آفس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رات کا وقت تھا بحث چل رہی تھی کہ ڈی ایچ اے پاکستان کی زمین پر بنا ہوا ہے یا پاکستان ڈی ایچ اے کی زمین پر۔ تو میں نے کہا سائیں ہیگل کا فلسفہ ہے کے مطابق becoming کا عمل چلتا رہے گا چیزیں آئیں گی ان کے توڑ بھی آئیں گے اس میں سے کچھ نیا نکلے گا تو اب بہت دیر ہوگئی ہے۔ لہٰذا اب ان باتوں کو چھوڑیں۔ تو کہنے لگے کہ اچھا تمہارا مطلب ہے کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں؟ میں نے دیکھا کہ انور راشد غصہ میں آگئے ہیں۔ مجھے لگا شاید میں نے غلط بات کہہ دی۔ حالانکہ میں نے تو ایک فلسفہ بیان کیا تھا کہ یہ انقلابی عمل ہے جو چلتا رہے گا۔ لیکن اس وقت مجھے محسوس ہوا کہ کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن پر عمر اثر نہیں کرتی۔ اور پوری زندگی ان کا ایک جیسا ہی رویہ ہوتا ہے۔ چاہے وہ جوانی میں ہوں یا بڑھاپے میں ہوں لیکن وہ آخر وقت تک ثابت قدمی سے اپنے نظریات، اصولوں اور خیالات پر پابند رہے اور نہ صرف پابند رہے بلکہ ان پر عمل بھی کرتے رہے۔ کام کی دھن میں کبھی کشمیر پہنچے ہوتے تھے، کبھی سکھر پہنچ جاتے تھے۔ ایک دفعہ مجھے انہوں نے رات کو 10 بجے فون کیا کہ ہم آرہے ہیں اور نزدیک پہنچ گئے ہیں۔ اب ظاہر ہے اس وقت میں انہیں کوئی جواب نہیں دے سکا۔ بہرحال اٹھ کر تھوڑی بہت تیاری کی۔ جب وہ آگئے تو میں نے کہا سائیں تھوڑا پہلے بتا دیا کریں تا کہ آدمی کھانے پینے کا بندوبست کر سکے۔ کہنے لگے مجھے پتہ ہے کہ کس کے پاس بندوبست ہوتا ہے، کس کے پاس نہیں۔ جس کو بتانا ہوتا ہے بتا دیتے ہیں جس کو نہیں بتانا ہوتا اس کو نہیں بتاتے۔ جاؤ تیاری کرو۔ وہ ایک بے باک اور پرجوش قسم کے انسان تھے۔ آخر تک اپنے خیالوں پر، اپنے افکار پر ڈٹے رہنا میں نے ان سے سیکھا ہے۔ اس کے علاوہ بھی میں نے انور راشد سے بہت کچھ سیکھا۔ اکثر بحث مباحثہ ہوتا تھا، بات چیت ہوتی تھی کہیں خیالات کا ٹکراؤ بھی ہو جاتا تھا لیکن اس میں بھی میں بہت چیزیں سیکھتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ انور راشد سے میرا جو خانگی تعلق تھا اس میں، میں نے ان کو نہ صرف تجربہ کار، پرجوش، باہمت اور بے باک قسم کی شخصیت کا حامل شخص قرار پایا بلکہ آگے بڑھنے کی کمال کی ایک جستجو بھی دیکھی۔ میں

چاہتا ہوں کہ کاش آخر تک ہم بھی ایسے ہی بنیں اور ہمارے قدم بھی آگے جا کر نہ ڈگمگائیں اور ہم بھی ان زمینی خداؤں سے اسی طرح لڑتے رہیں۔ میں نے ان کو بہت باہمت پایا اور آخر میں ان کے لئے کہوں گا کہ:

مجھے غروب نہ جانو جو میں افق پہ نہیں
بکھر گیا ہوں اندھیروں میں کہکشاں کی طرح

بہت شکریہ۔

مصطفیٰ بلوچ (فعال سماجی کارکن): کافی عرصے سے انور راشد کے ساتھ میری دوستی تھی اور ہم اکثر ساتھ رہتے تھے۔ چاہے وہ راجن پور ہو، سون ویلی ہو یا سندھ کے دیگر علاقے ہوں۔ وہاں ان سے کافی ملاقاتیں ہوئیں۔ لیکن ایک پہلو جو مجھے ان کا نظر آیا وہ یہ تھا کہ ہم باقاعدگی سے شاہ عنایت کے عرس پر جاتے تھے۔ میں سمجھتا تھا کہ ایسے درگاہوں پر فنکار جاتے ہوں گے۔ لیکن مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ انور راشد نے شاہ عنایت کے صوفی اور نچلے طبقات کے ساتھ تعلق اور لوگوں کے لیے کی گئی جدوجہد پر پورا آرٹیکل لکھا ہوا تھا۔ جو کہ ایک بہت معلوماتی آرٹیکل تھا۔

دوسری بات میں یہ کروں گا کہ یہ کبھی بھی تھکنے والے نہیں تھے۔ چند ماہ قبل جب ان کی بیماری کی تشخیص ہوئی اور کیموتھراپی کا کہا گیا تھا اس کے باوجود بھی جب میں اور ستار ہم دونوں انور راشد سے ملنے گئے تو بھرپور گفتگو کی کہ آئندہ کام کن خطوط پر ہونا چاہیئے۔ مزید بہتری کیسے ہوسکتی ہے۔ میں یہ بات کہنا چاہ رہا ہوں کہ وہ مستقبل کو ہی سوچ رہے تھے۔ یہ ایک بالکل عجیب بات تھی کہ انہیں اپنی بیماری کی بالکل پرواہ نہیں تھی۔ ایک مرتبہ میں نے ان سے کہا تھا کہ میں 1970 کے الیکشن میں حصہ لینے والی پارٹیوں کا تجزیہ کر رہا ہوں تو مجھے عوامی لیگ کا مواد نہیں مل رہا ہے۔ انہوں نے فوراً مجھے دو تین کتابیں دیں کہ آپ یہ دیکھیں۔ اور میرے ساتھ کم از کم دو گھنٹے اس موضوع پر بات چیت کرتے رہے۔ اس حوالے سے میں سمجھتا ہوں کہ ان کی سوچ، ان کی فکر اور مسلسل جدوجہد ہم کبھی بھی بھول نہیں پائیں گے۔

منہاج قدوائی (سندھ ہیلتھ کمیشن): میں 90-1980 کی دہائی کے اواخر میں آغا خان یونیورسٹی سے وابستہ تھا۔ اور اس وقت ہم نے اورنگی پائلٹ پروجیکٹ کے ساتھ مل کر اورنگی میں ایک ابتدائی صحت کا ادارہ (primary health care center) قائم کیا تھا۔ میری اس وقت انور راشد سے تفصیلی ملاقات ہوئی تھی مگر اس کے بعد میں بیرون ملک چلا گیا تھا۔ جب واپس پاکستان آیا تو میں نے اخبار میں انور راشد کے کام سے متعلق خبریں دیکھی۔ اکثر ان کے کام کا ذکر سنتا تو مجھے انور راشد صاحب کے بارے میں مزید پڑھنے کا اشتیاق ہوا۔ جتنا میں پڑھتا گیا اتنا ہی ان سے متاثر ہوتا گیا۔ اور اب اس وقت یہ افسوس ہو رہا ہے کہ میں ان سے زندگی میں کیوں نہیں ملا۔ افسوس میری یہ خواہش ادھوری رہ گئی کہ میں ان سے ان کی زندگی میں ہی ملاقات کر لیتا۔

انور راشد کو یاد کرنے کے علاوہ میرا آج یہاں آنے کا ایک خاص مقصد ہے کہ اربن ریسورس سینٹر سماجی سرگرمیوں کا ایک مرکز (hub) بنتا جا رہا ہے۔ عارف حسن یہاں موجود ہیں۔ میں انہیں عاجزانہ مشورہ دوں گا کہ اس ادارہ کی حکمتِ عملی پر پھر سے نظر ڈالتے ہوئے اسے اربن ریسورس سینٹر کی بجائے ایک سوشل موبیلائیزیشن سینٹر بنائیں تو زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ سول سوسائٹی کی جو سرگرمیاں ہوتی ہیں اس کے بڑے حصے کی واقفیت اسی ادارہ سے ہوتی ہے۔ جس کی بناء پر آواز بھی اٹھائی جاتی ہے تو ہمیں اس کو مل کر آگے بڑھانے کی ضرورت ہے ۔

ناصر منصور (نیشنل ٹریڈ یونین): بہت سارے ساتھیوں نے انور راشد کے حوالے سے بات کی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان میں اربن ڈویلپمنٹ کا کام سب سے خطرناک ہے۔ شہری ترقی کا جو طریقہ کار یہاں اپنایا گیا ہے اس میں بہت خطرہ ہے پر ہمارے لیے موت زندگی کا مسئلہ بنا ہوا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عدالتیں بڑے اور پیسے والے لوگوں کے لیے ہمدردی دکھاتی ہیں۔ بس عام لوگوں کے لیے قاعدہ قانون کی بات کرتے ہیں۔ ہم نے ابھی راوی کا بھی مسئلہ دیکھا۔ ایک عدالت نے فیصلہ سنایا۔ دوسری عدالت نے کہا جہاں تک آپ کو زمین ملی ہوئی ہے آپ اپنا کام شروع کر دیں۔ عدالتوں کے یہ متضاد فیصلے آپ کے سامنے ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو لوگ اربن

ڈیولپمنٹ کے لیے کام کر رہے ہیں اس کام میں لوگوں نے اپنی جانیں بھی کھوئی ہیں اور آئندہ بھی اس کے امکان بڑھتے جا رہے ہیں ۔اب طاقتور افراد زمین پر بو سونگھتے ہوئے کمزوروں کا خون گرانے کے لئے تیار بیٹھے ہیں ۔میرے خیال کے مطابق لوگوں کی موبیلائیزیشن کے بغیر یہ لڑائی جیتی نہیں جا سکتی۔

ہم نے پچھلے 60،70 سال جو کام کرنا تھا لوگوں کو بتانا تھا بتا چکے جو اذان دینی تھی وہ دے چکے ۔اب اس کا حل یہی ہے کہ ٹریڈ یونین میں جو مقامی لوگ (indigenous) لڑ رہے ہیں۔ بستیوں میں جن لوگوں کو ان کی جگہوں سے ہٹایا جا رہا ہے ۔تھر کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے ۔یہ ساری لڑائیاں ایک ساتھ مل کر لڑنے کی ضرورت ہے ۔اور اگر ہم ایک ساتھ مل کر کام نہیں کریں گے تو ہم اپنا قانونی حق بھی حاصل نہیں کر سکتے ۔تاوقت یہ کہ ہم ایک عوامی تحریک نہیں چلاتے ۔شکریہ

طارق بلوچ: السلام علیکم! میرا نام طارق بلوچ ہے۔انور راشد سے میری ملاقات لیاری ایکسپریس وے کے معاملے میں چلنے والی تحریک کے دوران میں یو آر سی میں ہوئی ۔اس کے بعد بھی ان ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ان کو میں نے بہت ہی پائیدار شخص پایا۔ یہ ایک بہت لمبی تحریک تھی جو عارف صاحب کی سربراہی میں چلی ہے ۔اس میں بہت ساری جگہوں پر،،بہت سارے مواقع پر ہم دل برداشتہ ہو جاتے تھے ۔کہ ہم ہار گئے اور اب ہمارے گھر ٹوٹ جائیں گے،لوگ بے گھر ہو جائیں گے ۔بہت ساری جگہوں پر،،بہت سارے لمحوں میں انور راشد صاحب ذاتی طور جب پر مجھے تھپکی دیتے تھے تو اس وقت احساس ہوتا تھا کہ ہم جیسے کمزور لوگوں کو کوئی تھپکی دینے والا ہے ۔اللہ پاک ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے ۔اللہ ان کی مغفرت فرمائے ۔بنیادی طور پر اب ان کے مشن کو آگے لے کر چلنا ہے ۔وہ اپنے حصے کا کام کر کے چلے گئے ۔اب یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ان کے کاموں کو ہم کس طرح آگے لے کر جاتے ہیں ۔بہت شکریہ۔

جبار چاچڑ: سب سے پہلے میں انور راشد کے لئے دعا گو ہوں کہ اللہ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے ۔راشد صاحب کے بارے میں ہمارے سے سینیئر دوستوں نے جو

باتیں کیں میں سمجھتا ہوں کہ ہم جتنی بھی باتیں کرلیں وہ کم ہیں ۔کیونکہ ڈاکٹر صاحب کے بعد او پی پی کے مشن کو راشد صاحب نے سندھ میں، پنجاب میں اور پورے پاکستان میں کامیابی سے چلایا۔جس کی وجہ سے پورے پاکستان میں مزید ادارے قائم ہوئے ۔ پاکستان میں راشد صاحب کے کام کی صورت میں ایک بڑا حصہ ہے ۔عالمی سطح پر بھی ان کا بہت کام ہے لیکن پاکستان میں بہت بڑا کردار ہے ۔میری ذاتی طور پر رائے ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا جو مشن تھا وہ راشد صاحب آگے لے کر چلے اور اس مشن کی پاکستان کی مزید مختلف کمیونٹیز کو ضرورت ہے ۔کیونکہ اگر یہ سلسلہ، یہ مشن اور یہ فلسفہ جاری رہے گا تو او پی پی بھی رہے گی ۔کمیونٹی بھی ہوگی اور کمیونٹی کو فائدہ بھی پہنچے گا۔تو میں سمجھتا ہوں کہ اس عمل کو جاری رکھا جائے ۔اور اس عمل کو وہی لوگ آگے لے کر چل سکتے ہیں جن کے پاس ڈاکٹر صاحب کا نظریہ ہوگا اور جو کمیونٹی کے لوگوں کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں ۔اب او پی پی کا بورڈ ہی ان تمام چیزوں کو سمجھ سکتا ہے کہ کس طرح ہم اس کام کو آگے لیکر چل سکتے ہیں ۔انور راشد نے کبھی اپنی ذات کے لئے کچھ نہیں کیا انہوں نے ہمیشہ دوسروں کے لیے سوچا ہے اور ہمیشہ ان لوگوں کے لئے کام کیا ہے جن کو وہ جانتے بھی نہیں تھے بلکہ بھلائی کی غرض سے ہی لوگوں کی ترقی کے لیے کام کرتے تھے ۔میری ہمیشہ دعا رہے گی کہ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے اور قائم و دائم رہے ۔شکریہ ۔

محمود مغل (پاکستان ٹیلی ویژن): عارف صاحب اور تمام مہمانِ گرامی کو السلام علیکم ۔میرا تعلق پاکستان ٹیلی وژن ہیومن ریسورس سینٹر جامشورو سے ہے ۔میں ڈائیریکٹر آف سندھیالوجی کے عہدے پر فائز ہوں ۔میں آج یہاں ذاتی طور پر انور راشد کے حوالے سے افسوس کا اظہار کرنے آیا ہوں ۔ میرے داماد شاہنواز اورنگی پائلٹ پروجیکٹ میں ہیں اور راشد صاحب ان کے ساتھ حیدرآباد آتے جاتے تھے ۔مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ وہ جب بھی حیدرآباد تشریف لاتے تو مجھے ملاقات کا شرف ملتا تھا ۔میں ذاتی طور پر آج اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ اپنے دل کی باتیں کہہ سکوں ۔ایک تو یہ کہ وہ ایک حقیقت پسند اور سچے آدمی تھے ۔ہمارے یہاں اکثر لوگ ڈگریاں رکھتے ہیں لیکن ان کے پاس وہ علم نہیں ہوتا جو ڈگریوں سے ملتا ہے ۔ہمیں محسوس ہوتا ہے جب بھی ہم نے مختلف صلاحیت پر بات

کی تو پتہ لگا کہ ایک بہت بڑا آدمی بات کر رہا ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ بہت زیادہ سوچتے تھے اور بہت دور اندیش تھے۔ میں نے انہیں بہت نوٹ کیا کہ وہ دوسرے کی بات کو سمجھتے تھے اور ''ڈھائی گھر چال'' والے سلسلہ کو بہت اچھے سے سمجھتے تھے۔ میری خواہش ہے کہ ہم انہیں ہمیشہ یاد رکھیں اور ان کے کام کو آگے بڑھائیں۔ اور میں آپ سب کا بے حد متشکر ہوں کہ مجھے یہاں آنے کا موقع فراہم کیا۔ اللہ آپ پر اپنی رحمت کرے۔

شبیر علی (حوا فاؤنڈیشن): میں حوا فاؤنڈیشن گھوٹکی سے آیا ہوں تا کہ راشد صاحب کے احترام میں اس پروگرام میں شرکت کرسکوں۔ انور راشد صاحب بہت اچھے انسان تھے۔ حافظ منظور امن (سی ای او۔ حوا فاؤنڈیشن) کچھ مصروفیات کی وجہ سے آج یہاں نہیں آسکے اس لیے میں ان کی نمائندگی کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ میں حوا فاؤنڈیشن میں ریکوری مینیجر ہوں۔ 2005 سے او پی پی۔ اوسی ٹی کا جو کام ہے ہم بھی ان کے ساتھ اس کا حصہ بنے رہے۔ مگر 2018 کے بعد سے او پی پی اور اوسی ٹی ہمارے ساتھ کام نہیں کر رہا۔ اس کے بعد ہم نے خود سے اپنے وسائل پیدا کیے اب ہم مائیکرو کریڈٹ پر ہی کام کر رہے ہیں۔ اس میں جاوید بیگ صاحب کی رہنمائی شامل ہے۔ اور ایسا کوئی مہینہ نہیں جس میں وہ ہمارے پاس نہ آتے ہوں۔ وہ ہمیں سمجھاتے ہیں کہ کیسے کام کیا جائے جس کی وجہ سے ہمارے کام میں پہلے سے کافی بہتری آئی ہے اور ہم اس کو جاری رکھنا چاہیں گے۔ اس کے علاوہ میڈم پروین رحمان کے نام پر حوا فاؤنڈیشن نے ایک اسکول بھی بنایا ہے۔ اور ان کے نام کو ہم نے ابھی تک زندہ رکھا ہوا ہے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ انور راشد صاحب کا نام بھی کسی کام کی صورت میں زندہ رکھیں۔

جاوید بیگ: اورنگی پائلٹ پراجیکٹ سے میرا تعلق 96-1995 سے ہے۔ میری انور راشد کے ساتھ 20 سال کی وابستگی رہی ہے۔ ہم ڈاکٹر صاحب کے زمانے سے ایک ساتھ کام کر رہے ہیں۔ راشد صاحب کے ساتھ میرے دو تعلق تھے۔ ایک آفیشل تھا کہ میں ان کی سربراہی میں ملازمت کرتا تھا، وہ میرے ڈائیریکٹر ہیں۔ دوسرا تعلق نیشنل اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے حوالے سے

رہا۔ ہم دونوں ایک ہی تنظیم سے تعلق رکھتے تھے۔نظریاتی طور پر ایک دوسرے کے قریب تھے۔ راشد صاحب نے مجھے آزادی دی اور کہا کہ آپ اپنے طور پر چیزوں کو دیکھیں اور ادارے کو چلائیں۔ کبھی انہوں نے کسی کام میں دخل اندازی نہیں کی۔جہاں غلطی ہو جاتی تھی تو وہاں وہ رہنمائی کرتے تھے۔میرا ان سے دوستی کا رشتہ بھی تھا۔وہ ہمارے باس بھی تھے۔ہمیں اگر کسی بھی حوالے سے کوئی اعتراض ہوتا تھا تو ہم وہ بھی ان کے سامنے رکھ دیتے تھے جسے وہ کھلے دل سے سنتے بھی تھے اور کام کے لیے آگے بڑھایا کرتے تھے۔ان کے ساتھ مل کر ہم نے تمام صوبوں میں ٹریڈ پروگرام کے حوالے سے مختلف تنظیمیں بنائیں اور انہیں منظم کیا۔کمیونٹی کے لیے کام کیا اور بہت بھرپور طریقے سے او پی پی ڈاکٹر صاحب کے فلسفے کے مطابق اپنا کردار ادا کرتا گیا۔میں سمجھتا ہوں کی آج بھی اس کام کو اسی طرح سے آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔اسے آگے لے جانے کی ضرورت ہے۔ ہم سب نے جو غلطیاں کی ہیں چاہے وہ ہمارے پارٹنر ہوں یا او پی پی ہو ہم نے ان غلطیوں سے سیکھا بھی ہوگا۔میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں بہتری کی طرف جانا چاہیئے اور اپنی غلطیوں سے سیکھ کر اس کام کو مزید آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ڈاکٹر صاحب کے بعد تسنیم صاحب، انور راشد، پروین، گل باز آفاقی اور اویس بٹ جیسے دوست چلے گئے۔ایک قحط الرجال کی صورت حال ہے کہ ہمیں آگے ایسے لوگ نظر نہیں آرہے جو سماج کے لئے سوچتے ہوں۔سماجی کام کرتے ہوں۔جو وقت کے پابند نہ ہوں کہ ہمیں گھڑی دیکھ کر کام کرنا ہے۔ہمیں ایسے لوگوں کی اشد ضرورت ہے۔مسائل آج بھی ویسے کے ویسے ہی ہیں۔میرا خیال ہے کہ یہ ٹیم ورک تھا جو ہم نے کیا تھا اور آگے بھی ٹیم ورک کے طور پر اس کام کو آگے بڑھانا ضروری ہے۔

ستار ڈاہری: میرا تعلق ڈسٹرکٹ سانگھڑ سے ہے۔او پی پی کے ساتھ میرا رشتہ ڈاکٹر اختر حمید خان صاحب کے زمانے سے تھا۔اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب کے فرزند اکبر خان کام کرتے تھے۔اور ڈاکٹر صاحب نے مجھے اکبر خان کے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار کیا تھا۔اس سلسلے میں تقریباً ہر ماہ میں دو میٹنگز ہوتی تھیں۔جاوید بیگ بھی ساتھ ہوتے تھے۔مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ

سندھ میں او پی پی کا پہلا پارٹنر ہمارا ادارہ تھا۔ اور ڈاکٹر صاحب کی رہنمائی میں ہم نے اچھے طریقے سے کام شروع کیا۔ وقتاً فوقتاً ہم ڈاکٹر صاحب کے ساتھ میٹنگز، ملاقاتیں، گپ شپ اور تجربات شیئر کرتے رہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے انتقال کے بعد او پی پی پر بہت برا وقت آیا تھا۔ خطرناک ترین کرائسس تھا۔ پر الحمدللہ عارف صاحب، تسنیم صاحب، انور راشد، پروین رحمان نے ان مسائل سے او پی پی کو نکالا اور ہم ان کے ساتھ کھڑے رہے۔ اکبر خان نے اپنے حصے کا کام کیا اور بعد میں وہ باہر چلے گئے۔ ڈاکٹر صاحب کے بعد میرا براہ راست تعلق انور راشد سے بنا۔ وہ تعلق اتنا گہرا تھا کہ ہم تو سیکھنے کے مرحلے میں تھے مگر انور راشد تو پہلے ہی مائیکرو کریڈٹ کے پروگرام سے وابستہ تھے۔ ساتھ مل کر نئے نئے تجربات کیے اور نئے ادارے بنائے۔ پاکستان کے جتنے بھی دورے تھے میں تقریباً تمام دوروں میں ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ستار میں تم میں یہ چیز منتقل کرنا چاہتا ہوں کہ تم جتنا ہو سکے سیکھو اور مزید ادارے بناؤ۔ جتنے ادارے بنیں گے اتنا ہم آگے بڑھیں گے۔ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں ان کا شاگرد بھی تھا، ماضی میں ایک اچھا دوست بھی رہا اور سب سے بڑھ کر میں اس کا نقاد بھی تھا۔ میں واحد آدمی تھا جو ہر بات پر ان پر تنقید بھی کرتا تھا۔ اور وہ اچھے طریقے سے مجھے برداشت بھی کرتے تھے۔ میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے۔

او پی پی پر تین بڑے مشکل مراحل آئے۔ ایک ڈاکٹر اختر حمید خان کا دنیا سے چلے جانا۔ اس وقت ادارے اتنے پختہ نہیں ہوئے تھے۔ چھوٹے چھوٹے ادارے بنے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ٹی آر ٹی پی والے ہمارے ساتھ آ کر بیٹھتے تھے اور ڈاکٹر صاحب کو کہتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کام کیسے کرنا ہے۔ سلیمان صاحب نے پہلے ہی ایک ادارہ بنا لیا تھا اس طرح پورے سندھ میں صرف ایک دو ادارے تھے جو کام کر رہے تھے۔ بعد میں وہ تعداد بڑھتی گئی۔ جب سی ڈی این (کمیونٹی ڈیولپمنٹ نیٹ ورک میٹنگ) ہوتی تھی تو یہاں ہمارے پاس بیٹھنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی۔ دوسرا ہمارے ادارے پر پروین رحمان کے قتل کے وقت کرائسس کا دور آیا۔ اس میں بھی ادارہ ہل گیا تھا۔ ایک خوف کی فضا قائم ہوگئی تھی۔ مجبوراً ہم نے ایک دفتر قائم کیا تھا مگر انور راشد آخر تک اس

دفتر میں نہیں آئے۔ان کا ماننا تھا کہ موت آج بھی آنی ہے کل بھی آنی ہے۔اگر ہم ڈر کر ادارے چھوڑ کر بھاگ جائیں گے تو پھر کیا ہوگا؟ آج اس دفتر کو تالا لگا ہوا ہے۔انور راشد اور ڈاکٹر اختر حمید خان کا ایک ہی نظریہ تھا کہ لوگوں کے ساتھ مل کر کام کریں۔انور راشد کہتے تھے کہ جہاں ہم کام کرتے ہیں ہمیں وہاں بیٹھنا پڑے گا۔بہت مسائل آئیں گے۔کبھی آپ کو خوفزدہ کیا جائے گا۔کبھی کمیونٹی کے ساتھ کوئی مسئلہ ہوگا۔اگر آپ بھاگنا شروع کروگے تو پھر آپ کام نہیں کرسکو گے۔یہ ان کا بنیادی پیغام تھا۔میرے نزدیک او پی پی پر تیسرا بڑا کرائسس اب آیا ہے اور مجھے ان دو مشکل وقتوں میں سے سب سے مشکل وقت یہ لگ رہا ہے۔ایک دن انور راشد کا انتقال دوسرے دن تسنیم صاحب جو ان کی جگہ سنبھال رہے تھے اور پروگرام کو دیکھ رہے تھے اور اس کی منصوبہ بندی کر رہے تھے ان کا بھی انتقال ہوگیا۔

اب او پی پی کسی ستون کے ساتھ کھڑا ہوا نہیں ہے۔ہم آج بھی عارف صاحب سے یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ اس ادارے کی سربراہی کریں۔اور ظاہر ہے کہ لوگوں کے چلے جانے سے ادارے ختم نہیں ہوں گے۔ایک خلا ضرور آتا ہے۔مگر ادارے کا کام بڑھنا چاہئے۔میں او پی پی کا ایک پرانا خیر خواہ ہونے کی حیثیت سے درخواست کرتا ہوں کہ ہمیں سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیئے اور جتنا جلدی ہوسکے کوئی لائحہ عمل بنانا چاہیئے۔کیونکہ ان شخصیات کے جانے سے دو ادارے مشکل حالات میں چلے گئے ہیں۔ایک او پی پی دوسرا سائبان۔سائبان میں بھی کوئی قیادت نظر نہیں آرہی۔اور او پی پی میں بھی تسنیم صاحب اور پروین کے جانے سے بڑا خلا آیا تھا اور اچانک ہی انور راشد کے جانے سے اس سے بڑا خلا آگیا ہے۔شکریہ۔

کلیم درانی (کمیشن برائے انسانی حقوق): میرا انور راشد صاحب سے بہت قریبی تعلق نہیں رہا۔گزشتہ آٹھ دس سالوں میں بہت تھوڑا وقت ایسا تھا جب ان سے ملاقات رہی۔اور میں نے انہیں ہمیشہ اس طرح سے پایا کہ کسی بھی نوعیت کی ذمہ داری یا کام ہو اس پر انہوں نے بہت خاموشی سے اپنا تعاون جاری رکھا۔ مجھے اندازہ ہے کہ یہاں موجود زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو انہی

اداروں سے تعلق رکھتے ہیں ۔ان اداروں کے روزمرہ کے جومعاملات ہیں وہ میں نہیں جانتا لیکن میرے ذہن میں دوسوال ہیں ۔پہلی بات تو یہ کہ کیا ڈاکٹر اختر حمید خان صاحب کے جانے کے بعد ستارڈاہری نے کام کرنابند کردیا؟ میرا خیال ہے ایسا نہیں ہے ۔ہمیں اپنے گرد دوستوں کو تلاش کرنا چاہیئے جو کام کرسکیں ۔ادارے قائم رہنے چاہیئیں ۔ یہ ادارے بہت محنتوں سے بنے ہیں اور بہت سوچ کر بنائے گئے ہیں کہ ان اداروں کی ذمہ داری اور کام کیا ہوگا۔جن لوگوں نے بھی ان اداروں کو تشکیل دیا انہوں نے کبھی بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ ان کی زندگی کے ساتھ ان کا جو مشن ہے وہ مکمل ہو جائے گا۔ان لوگوں نے ہمیشہ یہ ہی سوچا تھا کہ ان اداروں کو ان کی زندگی کے بعد بھی آگے جانا ہے ۔ہمارے آس پاس بہت لوگ ہیں ۔ہمیں صرف انہیں تلاش کر کے ان لوگوں کو ان جگہوں پر لانے کی ضرورت ہے ۔ان کو جوڑنے کی ضرورت ہے ۔اور میں سمجھتا ہوں کہ ابھی بھی ہمارے یہاں ایسے لوگ موجود ہیں جن میں بزرگ بھی ہیں جن کے پاس لامتناہی تجربہ ہے ۔ چاہے وہ تھوڑی دیر کے لیے ہی ان اداروں میں سربراہ کے طور پر آئیں ۔لیکن ان کا آنا نئے لوگوں کے لیے بہت حوصلہ مندی کا ذریعہ بنتا ہے ۔لوگ آتے رہیں گے گزرتے رہیں گے اور اس تسلسل میں یقیناً نئے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے ۔بہت شکریہ ۔

ڈاکٹر سیدہ فرحانہ سرفراز (جامعہ کراچی): السلام علیکم ۔میں جامعہ کراچی کے شعبہ برائے سماجی بہبود کی سربراہ ہوں ۔انور راشد صاحب سے میرا کوئی پرانا یا قریبی تعلق نہیں رہا ۔لیکن ہمارے طالب علموں کی او پی پی میں تعیناتی کی جاتی تھی ۔ایک وقت ایسا بھی تھا کہ اتنے بہترین ادارے ہوا کرتے تھے کہ ہم اپنے طالب علموں کو مختلف اداروں میں بھیجا کرتے تھے اور وہ بہت کچھ سیکھ کر آتے تھے ۔بہت ساری جگہوں پر وہ بچے کام بھی کر رہے ہیں ۔میں آپ کو یہ 2000 سے لے کر 2009 تک کی بات بتا رہی ہوں جب او پی پی ریسرچ سینٹر بھی تھا، عورت فاؤنڈیشن بھی تھی اور بھی بہت سارے ادارے تھے جو کام کیا کرتے تھے ۔ہمارے طالب علم مختلف دوروں پر مشاہدے کے لیے بھی جاتے تھے ۔راشد صاحب ہوں یا میڈم پروین ہوں ان لوگوں نے ہمارے پاس آ کر

بہت سہارا دیا۔ وہ ایک بہت اچھا وقت تھا۔ اس کے بعد ابھی کسی نے ایک لفظ استعمال کیا کہ ایک قحط الرجال کی سی کیفیت ہوگئی۔ اس قحط الجال کا شکار ہم بھی رہے۔ اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ہم نے بھی طے کیا کہ اب جگہ نہیں ہے اور ہم بھی اپنا کام چھوڑ کر چلے گئے۔ لیکن دو سال پہلے میں نے دو بارہ اپنے شعبہ میں شمولیت اختیار کی کہ کچھ قرض ہے اس کو اتار دیا جائے۔ اور کچھ چیزوں کے لیے کوشش کی۔ میں یہ چاہوں گی کہ ہمارے طالب علموں کے لئے جگہیں کھولی جائیں تاکہ ہم طالب علموں کو مختلف اداروں میں بھیجیں۔ جس قحط الرجال کی بات کی جارہی ہے وہ بنیادی طور پر ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے جانشین تیار کریں۔ یہ ایک سماجی ذمہ داری بھی ہے۔ اور بحیثیت استاد میں یہ چاہوں گی کہ میرے طالب علموں کے لیے مزید ادارے فراہم جائیں تاکہ ان کو کمیونٹی آرگنائزیشن کی تربیت پر بھیجا جاسکے۔ کیونکہ جن گورنمنٹ اداروں میں طالب علموں کو بھیجا جاتا ہے معذرت کے ساتھ وہاں سکھانے پر زور نہیں ہے۔ خواہش بھی نہیں ہے اور وہ چاہتے ہی نہیں ہیں کہ طالب علموں کو سکھایا جائے۔ علم بانٹنے کی چیز ہے اور میں چاہوں گی کہ ایسے فورمز کھولے جائیں۔ حال ہی میں ہم اپنے طالب علموں کو جن اداروں میں بھیجا کرتے تھے ان اداروں کو ہم نے اپنے پاس بلایا، ان سے مسائل پوچھے اور کہا کہ آپ بتائیے کہ تعلیمی اداروں سے آپ کیا چاہتے ہیں۔ اس حوالے سے ہم نے دستاویزات تیار کی ہیں اور اس سلسلے کو میں آگے بڑھانا چاہوں گی۔ مجھے انور راشد کے انتقال کا بہت افسوس ہے کیونکہ میرا خیال تھا کہ شاید اس سال سے یا اگلے سال سے ہم او پی پی کو دوبارہ اپنی فیلڈ ایجنسی بناسکیں۔ لیکن ہم اس کو ضرور کریں گے۔ اور میں چاہوں گی کہ اس حوالے سے آپ لوگ ضرور اپنا کردار ادا کریں کہ طالب علموں کو یہ کام کیسے سکھایا جائے وہ کام جس کے علم کا خزینہ لے کر فیلڈ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ بہر حال مجھے انور راشد صاحب کے جانے کا بہت افسوس ہے۔ بہت شکریہ۔

امداد حسین (یو آر سی پنجاب): میں امداد حسین لاہور سے ہوں۔ میرا تعلق پنجاب اربن ریسورس سینٹرس سے ہے۔ میری انور راشد سے ایک عجیب قسم کی بے تکلفی تھی۔ میں اکثر انور راشد کو کہتا تھا کہ

تم ایک سفید بالوں والے بابے ہو۔لیکن انور راشد اتنا بابا تھا نہیں۔انور راشد وہ آدمی ہے جس نے کبھی اپنے اندر کا بچہ نہیں مرنے دیا اور اس کی مجھے سب سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔جبکہ ہم سب بڑے اور میچور بننے کے چکر میں ہمارے اندر گہرائی میں جو چیزیں ہیں ہم انہیں ختم کر رہے ہیں۔ مجھے انور راشد کے بارے میں جو دو تین چیزوں کا افسوس ہوتا ہے میری خواہش ہے کہ میرا اور زیادہ وقت انور راشد کے ساتھ گزرتا۔انور راشد مجھے ایک ایسا بچہ لگتا ہے جو اپنے حصے کی ساری شرارتیں کیے بغیر دنیا سے چلا گیا۔اس دنیا میں انور راشد ایک مس فٹ انسان تھا۔انور راشد کی او پی پی،اوسی ٹی میں بڑی خدمات ہیں لیکن مجھے لگتا ہے کہ انور راشد کی جگہ کہیں اور تھی وہ ایک عجیب بے ترتیب اور خود پرست قسم کا ایک کلا کار آدمی تھا۔جو او پی پی میں آیا اور اس قید میں اپنے آپ کو زندہ رکھا۔ اکثر ہم بیٹھتے تھے تو اس طرح کی باتیں ہوتی تھیں کہ بہت ہو گیا اب میں کہیں اور جا رہا ہوں۔ہماری بڑی بے تکلفی سے باتیں ہوتی تھیں۔جس میں ہر طرح کی باتیں ہوتی تھیں۔انور راشد کا ثقافتی پہلو جو زندہ رہنے والا اور بڑا مضبوط پہلو تھا لیکن یہ جو قید تھی یعنی امیدوں کی قید کہ یہ مریدین ہیں ایک طرف اور ایک طرف انور راشد ہیں باباجی جو ہمیں سکھائیں۔اور یہ جو نظم وضبط کی ضروریات ہیں کہ دستخط کرنے ہیں۔یہ فائل پڑھنی ہے۔انور راشد اس کے لیے پیدا نہیں ہوا تھا۔وہ دنیا میں کوئی اور کام کر کے گیا ہے۔اور وہ اگر او پی پی میں نہ ہوتے تو میرا خیال ہے کہ وہ کوئی کلا کار ہوتے۔کسی سینما کے ساتھ جڑا ہوا ہوتا جو اداکاری بھی کرتا۔اسکرپٹ بھی لکھتا۔انور راشد میں جملہ کسنے اور تشکیل دینے کی جو صلاحیت تھی وہ زندگی سے بھرپور تھی۔انور راشد کو بڑے دکھ تھے لیکن اپنی چست زبانی اور فقرے بازی کی وجہ سے اس کے اندر احساسات رکھنے والے بچے کو اس نے زندہ رکھا ہوا تھا۔اسی وجہ سے شاید وہ کچھ عرصہ زیادہ جی گیا ہے۔کیونکہ اس طرح کے بندے کے لیے پاکستان اور اس جیسے ماحول،میں بڑی کم عمر ہوتی ہے۔بہرحال یہ کچھ باتیں ہیں سفید بالوں والے بابے اور اس کی زندگی کے بارے میں۔

زاہد فاروق: بہت اچھی باتیں کیں۔ہم سب مصنوعی زندگی گزارنے کے چکر میں ہوتے ہیں

اور ہم ٹینشن والی زندگی گزارتے ہیں ۔ہمیں معلوم ہے کہ زندگی کتنی مشکل ہوتی ہے ۔اور اس میں یہ چیزیں کبھی کبھی انسان کے لیے ضروری ہوتی ہیں ۔آپ نے حقیقت کے قریب باتیں کیں۔

شفقت سومرو: یو آر سی کی مہربانی بہت عرصے کے بعد ایک موقع ملا ہے انور راشد صاحب کے حوالے سے بات کرنے کا لیکن مجھے بہت افسوس ہے ۔انور راشد ایک کھلا ڈلا بندہ تھا ۔اس کے دل میں کسی کے لیے کینہ یا برائی نہیں تھی ۔ہمارے جیسے بہت سارے لوگوں کی ترقی کے لیے وہ ہر وقت کوشش کرتے رہتے تھے ۔ہماری سوسائٹی بہت کم لوگوں کی باتوں کو مانتی ہے ۔عارف صاحب نے باضابطہ انقلابی کتاب کی شکل میں ان کے اوپر تشریح کی ہے ۔وہ چھوٹے چھوٹے گاؤں میں جا کر شہری اور دیہی علاقوں کے لوگوں کے بیچ میں جو فاصلہ موجود تھا اس کی گہرائی میں جا کر مسائل کو اجاگر کرتے تھے ۔میرا ان سے 15 سے 20 سال کا کبھی قریب کبھی دوری کا تعلق رہا ۔وہ ایک مہربان اور شفیق انسان تھے ۔اللہ سائیں انور راشد کو ان کے اعمال اور جو انہوں نے لوگوں کے لیے کیا ہے اس کا اجر دیں اور ان کے درجات بلند کریں ۔وہ شہری اور دیہی کمیونٹی کے مابین فاصلہ کم کرنے کا پودا لگا کر گئے ہیں ۔مثال کے طور پر کئی مرتبہ مجھے موقع دیتے تھے کہ میں آگے بڑھ کر لوگوں سے بات کروں ۔یہ تو پیشہ ورانہ باتیں ہیں ۔لیکن ہمارے جیسے کمیونٹی ورکرز کو موقع دینا کہ ہم عام لوگوں میں بیٹھ کر ان کی بات کو لوگوں تک پہنچائیں بہت بڑی بات تھی ۔آگے بھی میں چاہوں گا کہ یہ جو دیہی اور شہری فاصلے کو کم کرنے کے لیے انور راشد نے پل کا کردار ادا کیا تھا اور گاؤں گاؤں جو پیغام پہنچایا تھا امید کرتا ہوں کہ او پی پی ،آر ٹی آئی اور یو آر سی اس انقلاب کو جاری رکھیں گے ۔جس سے ہم جیسے ورکرز کو فائدہ ہوگا ۔بڑی مہربانی۔

حافظ راشد (پنجاب کچی آبادی اتھارٹی): میں اربن ریسورس سینٹر کراچی کا مشکور ہوں جنہوں نے انور راشد کی یاد میں یہ خوبصورت تقریب منعقد کی ہے ۔مجھے اس بات کی خوشی ہو رہی ہے کہ میں کافی عرصے بعد اربن ریسورس سینٹر آیا ہوں ۔مجھے آج یہاں ڈاکٹر اختر حمید خان کی روح محسوس ہو رہی ہے ۔اس سے پہلے سی ڈی این کے اجلاس ہوتے تھے یا ڈاکٹر اختر حمید خان فورمز ہوتے

تھے تب اوپی پی جانا ہوتا تھا۔ اربن ریسورس سینٹر کافی عرصے بعد آنا ہوا یہ عارف صاحب اور آپ ساری ٹیم کی برکت ہے ۔ اختر حمید خان صاحب ایک شخص نہیں تھے بلکہ ایک پورا فلسفہ، روایت اور ایک نظریہ تھے ۔ میری ان سے بس ایک ایسی ملاقات ہوئی جس میں، میں ان سے ہاتھ بھی نہیں ملا پایا۔ وہ اکتوبر 1998 پنجاب آئے تھے اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ عارف صاحب اور تسنیم صدیقی صاحب بھی موجود تھے ۔ شہباز شریف نے" Replication of Orangi Pilot Project in Punjab کے نام سے ایک پراجیکٹ کے حوالے سے بات کرنے کے لیے بلایا تھا۔ میں چونکہ پنجاب حکومت میں ڈائریکٹر یجی آبادی ہوں ۔ اس وقت میں کم عمر آفیسر تھا اور اسسٹنٹ ڈائیریکٹر کے طور پر کام کرتا تھا۔ میرے ڈائریکٹر جنرل مجھے بھی ساتھ لے گئے کہ وہاں پر تمہارے مطلب کی بھی باتیں ہوں گی ۔ میں نے پہلی مرتبہ کسی سرکاری دفتر میں ایک عجیب بات دیکھی کہ جہاں صرف سرکاری فائلوں اور پراجیکٹس کی باتیں ہوتی ہیں وہاں فلسفے کی باتیں ہو رہی ہیں اور ایک بوڑھے بابا بیٹھے ہوئے ہیں جو پاکستان کی سوسائٹی، پاکستان کی تاریخ اور پاکستان کے اندر ہونے والی تبدیلیوں کی بات کر رہے ہیں ۔ تو مجھے یہ اس لحاظ سے بڑا اچھا لگا کہ میرا اپنا ایک پس منظر تھا۔ ہم لوگ اپنے طالب علمی کے دور میں سوسائٹی کو بدلنے کے خواب دیکھتے رہے تھے ۔ اس کے لیے چھوٹی موٹی کوششیں بھی کرتے رہے تھے ۔ میں بڑا حیران ہوا کہ یہ کیسا سرکاری دفتر ہے جس میں اس طرح کی باتیں ہو رہی ہیں ۔

ایک بات میں اکثر ساتھیوں سے شیئر کرتا ہوں یہاں آپ کو بھی بتانا چاہتا ہوں ۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک بات کہی کہ پنجاب میں جو میرا کام ہے اگر پنجاب والوں کو اس کام کی سمجھ آجائے تو یہ پاکستان میں تبدیلی کی بنیاد بن سکتی ہے ۔ اس میٹنگ میں یہ ڈاکٹر صاحب کے الفاظ تھے ۔ مجھے کبھی کبھی لگتا ہے کہ وہ ساری میٹنگ دراصل قدرت ایک نظام تھا ڈاکٹر صاحب کی بات مجھ تک پہنچانے کے لیے کہ ان کی جو سوچ تھی وہ میرے دل کو لگی ۔ اس کے بعد میں نے ڈھونڈنا شروع کر دیا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ کدھر ہیں؟ کہاں ہوتے ہیں؟ میں نے 1995 میں جاب شروع کی

تھی۔اس وقت میں این جی اوز کو ہی دیکھتا تھا۔ کچی آبادی آفس کی طرف سے ہمارے پاس یونیسیف کے اور کچھ دوسرے پراجیکٹس تھے۔میرا خیال ہے دو یا تین سال میں ہی میرا دل بھر گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ این جی اوز سیکٹر مجھ سے رابطے میں تھے وہ صرف اور صرف اپنی دیہاڑی کے چکر میں ہوتے ہیں۔وہ اسی سلسلے میں آتے ہیں کہ کسی طرح سے ان کو فنڈز مل جائیں۔مجھے ان میں کسی قسم کا اخلاص یا سچائی نظر نہیں آئی۔اور میں یہ جاب چھوڑنے ہی والا تھا۔میں نے سوچا کوئی اور کام کرتے ہیں۔یہ کمیونٹی ڈویلپمنٹ وغیرہ جو ہمارا عہدہ تھا اس سیکٹر کو چھوڑتے ہیں کیونکہ مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔لیکن جب ڈاکٹر صاحب کو دیکھا تو خیالات یکسر تبدیل ہوئے۔مجھے پتہ چلا نظیر احمد وٹو صاحب بھی وہاں موجود تھے ان سے میری بعد میں ملاقات ہوئی تو میں نے فوراً پوچھا یہ بابا جی کون ہیں؟

وہ پہلو بھی سامنے رکھیں جو ہر انسان میں ہوتے ہیں وہ ایک بڑی شخصیت یا اعلیٰ تر اوصاف کے مالک ہوتے ہیں۔ان پر لوگ کم بات کرتے ہیں۔میرا خیال ہے کہ انسان ہونے کی حیثیت سے جو ہمارے دوست اور استاد ہیں اور جو اس کی روح ہے اس کا تعلق کام کی نوعیت سے بھی نہیں ہے، اداروں کی ساخت سے بھی نہیں ہے بلکہ وہ ایک روح ہے، وہ ایک تحریک ہے جو ہر حال میں جاری رہنی چاہیئے اور جاری رہے گی۔کیونکہ وہ پیغام جن دلوں تک پہنچ چکا ہے وہ اس سے آگے منتقل ہوگا اور ہو رہا ہے۔اور اس تحریک میں ہم جانتے ہیں کہ بہت لوگ آئے۔ان میں سے کچھ اپنے مفادات پورے کرنا چاہتے تھے۔لیکن وقت کے ساتھ یہ ثابت ہوا کہ تھوڑے عرصے بعد جن کا مفاد پورا نہیں ہوا تو وہ تحریک سے نکلتا گیا۔لیکن جو لوگ سچے تھے اور کام کرنا چاہتے تھے وہ جستجو میں لگے ہوئے ہیں لگے رہیں گے۔ یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔تحریکیں اسی طرح مختلف اوقات میں شروع ہوتی ہیں اور آگے بڑھتی ہیں۔انور راشد کا اس ساری تحریک میں ایک بہت بڑا کردار ہے۔

میں کل ہی راشد صاحب کی بڑی بہن سے ملنے گیا تو مجھے ایک بڑی اچھی بات پتا لگی کہ یہ ڈاکٹر اختر حمید خان کے بچوں کو شروع میں ٹیوشن پڑھایا کرتے تھے۔یعنی اس زمانے سے ان کا

ڈاکٹر اختر حمید خان کے ساتھ تعلق پیدا ہوا تھا اور پھر ظاہر ہے کہ ایک استاد کی طرح ساری زندگی انہوں نے ان سے سیکھا۔ وہ بہت شاندار انسان تھے۔ اپنی کلاس میں ہمیشہ پوزیشن لیا کرتے تھے۔ بہر حال ایک ایسا بندہ جو اتنا ذہین، اتنا شاندار ہو وہ جب اس کام میں آئے اتو ظاہر ہے اپنی طرف سے انہوں نے اپنی پوری زندگی اس پر لگا دی۔ یہ بات ہم لوگوں کے لیے آج بھی حیران کن ہے کہ پروین رحمان، انور راشد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کی پرواہ نہیں کی، دنیاوی مفادات یا اپنے بیوی بچوں کی، شادیوں کی فکر میں نہیں پڑے۔ انہوں نے ساری زندگی سیدھا سیدھا کام کیا۔ میں اپنے بیٹے کو کہہ رہا تھا کہ دیکھو یہ کون لوگ ہیں کہ زندگی میں جو کچھ کیا واپس جاتے ہوئے ادارے کو دے دیا۔ وراثت میں کوئی چیز باقی نہیں چھوڑی۔ وراثت میں کیا چھوڑا؟ وراثت میں ایک کردار چھوڑا، اپنی زندگی کا تجربہ چھوڑا۔ غلطیاں، کوتاہیاں ہر بندے میں ہوتی ہیں وہ انور راشد میں بھی تھیں۔ وہ انسان تھے۔ انسان ہوتے ہوئے ہر انسان میں کچھ نہ کچھ خامیاں بھی ضرور ہوتی ہیں۔ لیکن بہر حال وہ ایک بہت بڑے انسان تھے۔ میں ذاتی طور پر سمجھتا ہوں کہ ہم نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ آپ سب دوستوں کا بہت شکریہ۔ آخر میں، میں پھر یہ کہوں گا کہ مجھے آج واقعی بہت خوشی ہو رہی ہے۔ اور میں بہت پر امید ہو کر واپس جا رہا ہوں کہ جو کام انور راشد لے کر چلے تھے جو اختر حمید خان صاحب سے شروع ہوا تھا اور آج ہمارے بڑے عارف حسن صاحب بیماری کے باوجود اس سارے کام کی سرپرستی کر رہے ہیں۔ انشاءاللہ ہم سب لوگ مل کر اس کام کو ایسے ہی آگے بڑھاتے رہیں گے۔ بہت شکریہ۔

زاہد فاروق: شکریہ حافظ صاحب! ہم امید کرتے ہیں کہ یہ دوستوں کا ساتھ سی ڈی این کی شکل میں یا کسی اور شکل میں ہوتا رہے گا۔ ہم سب متاثرین انور راشد اس لیے ہیں کہ ہماری زندگی کے ساتھ وہ جڑے ہوئے تھے، ہماری زندگیاں ان کے ساتھ جڑی ہوئی تھیں۔ اب ہمارے پاس عارف حسن صاحب ہیں۔ ہمیں یہ بھی اندازہ ہے کہ ان کی عمر کتنی ہے۔ ہمیں یہ بھی اندازہ ہے کہ ان کے او پر کتنا دباؤ ہے۔ ہم سب کو اندازہ ہے کہ موسم کیسا ہے؟ کیا صورت حال ہے۔ اس وجہ سے ہمیں ایک پریشر گروپ کے طور پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر نعمان احمد (این ای ڈی یونیورسٹی): تین مختصر باتیں میں آپ کی خدمت میں عرض کروں گا۔ پہلی چیز یہ ہے کہ بہت سے دوستوں نے بہت اہم باتیں کیں۔ انور راشد کی شخصیت، کام اور سوچ یہ تین ایسے زاویے ہیں جس پر میرا خیال ہے کہ زیادہ منظم کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسی بہت سی شخصیات ہمارے درمیان تھیں جو مختصر وقفے میں ہم سے جدا ہو گئیں لیکن ہم صحیح طور پر یہ حق ادا نہ کر سکے کہ ان کی چھوڑی ہوئی میراث کو صحیح طور پر باقی رکھ سکیں اور اس کو اگلی نسل تک پہنچا سکیں۔ انور راشد سے میری پہلی ملاقات او پی پی کے آفس میں ہوئی تھی۔ پہلی نظر میں مجھے لگا کہ ان کا ادارے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ صرف وقت گزاری کے لیے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم وہاں اپنے اساتذہ کے ساتھ آرکیٹیکچر کے طالب علم کے طور پر گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بزرگ (اختر حمید خان) جو باتیں کر رہے ہیں جو وہ کہیں من و عن ویسے ہی لکھ لینا۔ امداد صاحب نے بالکل درست فرمایا کہ انور راشد کا اپنا ایک اسٹائل تھا۔ وہ بار بار کمرے میں آنا جانا کر رہے تھے۔ ہم اس بات پر بھی حیران تھے کہ ڈاکٹر صاحب اس پوری کیفیت کے اندر مخل ہونے کے باوجود بھی بالکل ناراض نہیں ہو رہے تھے۔ بعد میں جیسے جیسے ان سے تعلق بڑھتا گیا تو ان سے بہت کچھ سیکھنے اور ان کے ساتھ کام کرنے کے راستے پیدا ہوتے گئے۔ انور راشد کے حوالے سے میں یہ کہوں گا کہ غریبوں اور عام عوام کی ترقی کے کام کے لیے انور راشد کی جو کاوشیں تھیں وہ بہت کم لوگوں کی تھی۔ انہوں نے بہت کم لکھا جو کہ بہت افسوس ناک بات ہے۔ اگر انور راشد زیادہ لکھتے اور اپنی علمی میراث زیادہ چھوڑ جاتے تو آنے والوں کے لیے کار آمد ہوتیں لیکن انہوں نے جو بھی تحریریں یا اپنے افکار چھوڑے ہیں اس میں غیر رسمی انٹر پرائزز اور غیر رسمی معیشت کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے خیالات اور تجزیے غیر معمولی تھے۔ میرے خیال سے ہماری درسگاہوں کے لیے یہ افکار بہت کار آمد ہو سکتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ انور راشد کا لوگوں کے ساتھ بات چیت کرنے اور ان کے بارے، میں رائے قائم کرنے کا جو طریقہ کار تھا وہ اپنی نوعیت آپ تھی۔

1983-84 میں جب او پی پی لین سیوریج کا کام شروع کر رہی تھی تو گھر گھر جا کر لوگوں

سے رابطے ہوتے تھے تو انور راشد فوراً ہی اندازہ لگا لیتے تھے کہ جس شخص سے ان کی ملاقات ہوئی ہے اور جو گفتگو ہوئی ہے اس پر کام کے حوالے سے بھروسہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ یہ بہت بڑی خاصیت تھی۔ اور یہ آخر تک ان کی دیگر سرگرمیوں کے ساتھ بھی رہی۔ اکثر ہم ساتھ فیلڈ پر ہوتے تھے اور انور راشد کہتے تھے کہ چھوڑو یہ انتہائی نامعقول آدمی ہے آگے چلتے ہیں۔ اور آگے جا کر پتہ چلتا تھا کہ وہ صحیح کہہ رہے تھے۔ اسی طرح ان کی ایک اور بڑی خوبی یہ تھی کہ جب لوگ جھگڑ رہے ہوتے تھے اور کسی ایک آپشن پر اتفاقِ رائے نہیں ہو رہا ہوتا تھا تو انور راشد اپنی گفتگو اور رقائل کرنے کے غیر معمولی طریقہ کار کے ذریعے سے لوگوں کے درمیان اتفاق رائے یا کم از کم مفاہمت ضرور پیدا کر دیتے تھے جس کی وجہ سے کام آگے بڑھ جاتا تھا۔ مختلف جہتوں میں ہمیں ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔

آخری بات میں یہ عرض کروں گا کہ انور راشد کی چھوڑی ہوئی ایک میراث یہ بھی ہے کہ وہ ہر سال اختر حمید خان کے نام کو اور ان کے کام کو یاد کرتے تھے۔ ہر سال باقاعدگی سے اختر حمید خان کے حوالے سے فورم ہوتا تھا۔ تو اب ہم سب کی اجتماعی ذمہ داری ہے کہ ہم ان سارے لوگوں اور ان کے چھوڑے ہوئے کام اور ان کی میراث کو آگے بڑھانے کے لیے ایک ایسے علمی پلیٹ فارم کا اہتمام کریں جس سے آنے والی نسل ان کے افکار سے مستفید ہو سکے۔ اور اس بات کو ہم زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچا سکیں۔ آپ کی توجہ کا بہت شکریہ۔

سراج الدین (ٹیکنیکل ٹریننگ ریسورس سینٹر): میں 1994 سے او پی پی کے ساتھ منسلک رہا ہوں۔ میں وہ نالائق شاگرد ہوں جس کو ڈاکٹر اختر حمید خان، پروین رحمان صاحبہ اور انور راشد صاحب سے ڈانٹ پڑی ہے۔ اگر ہم او پی پی کی بات کرتے ہیں تو ظاہر ہے او پی پی کا اسٹاف جو اس دنیا میں موجود ہے اور جو اس دنیا سے چلے گئے ہیں ان سب کا کسی نہ کسی طریقے سے ایک اہم کردار رہا ہے۔ 1997 میں سب کی مشاورت سے ٹی ٹی آر سی (ٹیکنیکل ٹریننگ ریسورس سینٹر) بنائی گئی۔ او پی پی۔ آر ٹی آئی کے مختلف پروگرامز کو چلانے کی اجازت دی گئی۔ راشد صاحب کے ساتھ میرا رابطہ 2010 میں آنے والے سیلاب کے وقت ہوا۔ اسی دوران ایک مرتبہ ہم سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں کشتی سے

جارہے تھے تو راشد صاحب نے سوال کیا کہ جہاں ہم جارہے ہیں وہاں سے واپس بھی آسکیں گے؟ تو کشتی میں سوارلوگوں نے کہا کہ ہاں آئیں گے ۔تو انہوں نے کہا کہ اس کی کیا ضمانت ہے تو لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ ہی دوسرے لوگوں کو کہیں نہ کہیں ٹھکانے لگاتے ہیں ۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ہم فروری 2013 میں بنکاک میں تھے تو وہاں پر سلی، جوکن دادا اور ڈیانا مچلن نے کہا کہ پروین تمہارا خیال اور تم لوگوں کا کام بہت اہم ہے ۔اس کو کمبوڈیا اور دوسرے مما لک میں بھی لے کر جاؤ ۔اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ہم میٹنگ کے بعد ان باتوں پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھ کر نظر ثانی کرتے تھے ۔راشد صاحب کی وہ بات بہت اہم ہے کہ پروین او پی پی کا جتنا بھرم دنیا میں ہوگیا ہے اس کو اب قائم رکھنا بہت مشکل ہوگیا ہے ۔ان کی یہ بات اب واضح نظر آتی ہے کہ پروین صاحبہ کے بعد ایک خلا آ گیا ہے ۔اس شہر کو او پی پی اور اس میں جو لوگ کام کر رہے تھے ان کی ضرورت تھی ۔

میرا یہ سوال ہے کہ کیا اوسی ٹی میں بھی آرٹی آئی کی طرح خلا ہوگا؟ عارف صاحب، حافظ راشد صاحب اور او پی پی کے بورڈ کے جو بھی لوگ موجود ہیں ان سے یہ ہی درخواست ہے کہ پروین رحمان کے بعد جو خلا آ گیا ہے ۔میں چاہتا ہوں کہ راشد صاحب کے بعد وہ خلا نہیں آنا چاہیئے اور آپ میں کئی ایسے لوگ ہیں جو اس کو اچھے طریقے سے لے کر چل سکتے ۔آپ لوگوں سے یہ ہی درخواست ہے کہ آپ لوگ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اس خلا کو پورا کریں ۔ جہاں تک ہم لوگوں کی بات ہے جو لوگ یہاں موجود ہیں تو ہم سب لوگ کام کر رہے ہیں اور آئندہ اس سے بہتر طریقے سے کام کرنے کی کوشش کریں گے ۔بہت شکریہ ۔

مینا جبار (امر ڈو فاؤنڈیشن): میں 2008 سے امر ڈو فاؤنڈیشن حیدرآباد کی طرف سے اوسی ٹی اور او پی پی کے ساتھ ہوں ۔میری گرومنگ بھی ان کے ساتھ ہی ہوئی ۔ ہمارے پہلے ڈونر یا ہمارے استاد میڈم پروین اور انور راشد تھے ۔انہوں نے ہر مشکل وقت کو با آسانی گزارا۔ چاہے مرد ہوں یا خواتین انہوں نے سب کو اکھٹے رکھا ۔ان کے جانے سے جو خلا آیا ہے یہ بھرے گا تو نہیں ۔ لیکن وہ ہمارے ساتھ آپ سب کی شکل میں ابھی بھی موجود ہیں ۔ہم لوگوں نے ان سے بہت کچھ

سیکھا ہے۔ہم بورڈ اور ورکرز کے ذریعے اس خلا کو نہیں آنے دیں گے۔ ہم انہیں بہت زیادہ یاد تو کر رہے ہیں لیکن وہ آپ سب میں موجود ہیں۔اس لیے وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور ہمارے ساتھ ہی ہوں گے انشاء اللہ۔ میری دعا ہے کہ یہ کاروان سِفر چلتا رہا تھا اور اس سے بھی آگے انشاء اللہ چلتا ہی رہے گا۔ جزاک اللہ۔شکریہ۔

شارق ریحان (او پی پی۔او سی ٹی): میرا راشد صاحب سے تعلق بہت پرانا ہے۔لیکن آفیشل تعارف 1 اکتوبر 2010 کو ہوا تھا۔اس وقت میں کسی کمرشل ادارے میں جاب کرتا تھا لیکن راشد صاحب نے مجھے او پی پی میں بلایا اور ساتھ کام کرنے کے لیے کہا۔پھر میں یہاں آیا اور میں نے ان سے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں صرف ایک یا ڈیڑھ سال یہاں رہوں گا پھر یہاں سے چلا جاؤں گا۔انہوں نے کہا تھا کہ ٹھیک ہے آجاؤ۔مگر راشد صاحب کی شخصیت دیکھ کر ان سے جو تعلق بنا جس کے بعد میں یہیں رہ گیا۔ ان کی چند باتیں مجھے ہمیشہ یاد رہیں گی۔ایک بات وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا ادارہ مائیکرو کریڈٹ پروگرام پر کام کرتا ہے اور راشد صاحب اس کی سربراہی کر رہے ہوتے تھے۔وہ کبھی کبھی اکثر کہتے تھے کہ شارق میں مائیکرو کریڈٹ کے لیے نہیں پیدا کیا گیا ہوں۔یہ دو اور دو چار مجھ سے نہیں ہوتا۔ یہ کام ڈاکٹر صاحب نے مجھے دے دیا ہے اور میں اس کو برقرار رکھنے کے لیے یہ کام کر رہا ہوں۔یہ میرا مزاج نہیں۔

دوسری بات یہ کہ ایک دفعہ ہم لوگ اسلام آباد گئے اور ایک ریسٹ ہاؤس میں رکے تو اس کا کرایہ ساڑھے چار ہزار تھا لیکن صبح کے وقت جب ہم ہوٹل چھوڑ رہے تھے تو اس نے پانچ ہزار روپے لیے۔انور راشد ہمارے چیف ایگزیکٹو بھی تھے۔وہ اس وقت کھڑے ہو کر اعتراض کرنے لگے کہ اس پانچ سو روپے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔لیکن اس کے باوجود یہ میں نہیں دے سکتا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ پیسے میرے نہیں ادارے کے ہیں۔اس وقت میں نے احساس کیا کہ ان کی چیف ایگزیکٹو کی حیثیت سے کتنی بڑی سوچ ہے اور یہ کتنے مخلص آدمی ہیں۔اس خاصیت کا آدمی اس دور میں ملنا بہت مشکل ہے۔چوتھی اور آخری بات انہوں نے انتقال سے دو دن پہلے مجھے اپنے پاس بلایا تھا۔ان سے بات نہیں کی جا رہی تھی لیکن مجھے بلا کر کہتے ہیں کہ قلم نکالو۔پھر سب سے پہلے

انہوں نے کہا کہ جس کسی پارٹنر کے پاس ہمارے پیسے ہیں وہ کب آئیں گے؟ کیونکہ یہ میرے اوپر بوجھ ہیں۔تو میں نے کہا کہ آپ آرام کریں۔کوئی مسئلہ نہیں ہے یعنی وہ شخص اس آفس کا نہ کوئی پیسہ استعمال کرنا چاہتا تھا اور جو پیسہ پارٹنر کے پاس ہوتا تھا اپنے مرنے سے پہلے تک وہ یہی سوچ رہا ہوتا تھا کہ اسے واپس کرنا ہے۔میں تسنیم صاحب کے ساتھ بھی ان چھ سات مہینوں میں بہت قریب رہا ہوں۔راشد صاحب کا تو میں بچہ ہوں اور آج جو بھی ہوں ان ہی کی وجہ سے ہوں۔ان کے نظریہ کو اگر ہم لوگ سمجھ جائیں تو ہم اپنی کمیونٹی کے لیے بہت کام کر سکتے ہیں۔

عارف حسن: انور راشد کے کرداراور ان کی زندگی کے بارے میں گفتگو ہوئی۔سب نے ان کی یادوں کو تازہ کیا۔میری انور راشد سے ملاقات 1982 میں ہوئی جب وہ او پی پی آئے۔ڈاکٹر صاحب نے جب او پی پی شروع کیا تھا اس کے کچھ دن بعد انہوں نے مجھ سے رابطہ کیا اور کہا تھا کہ میں ان کے ساتھ شامل ہو کر ان کے ساتھ کروں۔انور راشد کی سوچ بہت ترقی پسند تھی۔وہ این ایس ایف کے ممبر تھے۔چنانچہ ان کا مجھ سے یہ سوال تھا اور وہ اس حوالے سے بہت پریشان تھے کہ یہ جو ہم کام کر رہے ہیں وہ انقلاب کو روک رہا ہے۔ڈاکٹر صاحب کہتے تھے کہ یہ کاہل ہے اور کچھ کرتا نہیں ہے جبکہ وہ اسی فلسفہ کی بحث میں لگے رہتے تھے۔

1983 میں پروین آئیں۔پروین بہت حد تک انور راشد کی شاگرد تھیں۔سیاسی پہلو پروین کی سمجھ میں بالکل بھی نہیں آتے تھے وہ انور راشد نے پروین کو سمجھائے اور بتائے۔میں نے ان دونوں کو ترقی کرتے دیکھا۔ڈاکٹر صاحب کے بعد میں ادارے کا سربراہ بن گیا مگر مسلسل بیماری کے باعث میں نے ادارہ چھوڑ دیا لیکن جب ادارے میں کچھ صورتحال خراب ہوئی تو انور راشد مجھے بلانے آئے جس کے بعد میں ادارے میں دوبارہ آیا۔مگر 2015 کے بعد میرا ادارے سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔انور راشد اکثر مجھ سے ملنے کے لیے آجاتے تھے۔

اب میں یہاں دو تین باتیں کہنا چاہتا ہوں کہ اورنگی پائلٹ پراجیکٹ کے کچھ اصول تھے۔یہ ایک نظریہ تھا جسے ہم بھول چکے ہیں۔مگر اس سوچ پر جو کام شروع ہوا تھا وہ اب بھی جاری

ہے ۔اب یہ ضروری ہوگیا ہے کہ ہم اس سوچ کا ایک اور دفعہ ذکر کریں ۔اس کے بارے میں بات چیت کریں ۔اس میں موجود خامیوں کو واضح کریں ۔ پراجیکٹ چلتے رہتے ہیں مگر انہیں کسی سوچ کے نتیجے میں ڈھالنا ہے ۔ہم سب کسی نہ کسی شکل میں ڈاکٹر صاحب کے شاگرد ہیں لیکن مجھے بہت دکھ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کہیں بھی نہیں ہیں ۔اسی وجہ سے اختر حمید خان کے حوالے سے فورم شروع کروایا گیا ہے کہ ان کے بارے میں بات کی جائے ۔ساری دنیا انہیں اتنا بڑا آدمی مانتی ہے ۔ساری دنیا میں ان کے بارے میں لیکچر ہوتے ہیں ۔ان کی سوچ کو آگے بڑھایا جاتا ہے مگر ہمارے یہاں ان کا ذکر نہیں کیا جاتا ۔اسی واسطے ہر سال ان کی برسی پر میں ایک مضمون لکھ کر اخبار میں شائع کروا دیتا ہوں مگر یہ کافی نہیں ہے ہمیں ان کے بارے میں بات کرنی پڑے گی ۔

شہر میں بہت سے مسائل ہیں ۔اتنے بڑے پیمانے پر لوگوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کیا گیا لیکن ہمیں او پی پی کہیں نظر نہیں آتی ۔آپ لوکل گورنمنٹ کا مسئلہ دیکھ لیں وہاں بھی او پی پی کوئی ایکشن لیتی نظر نہیں آتی ۔ایک ایسا ادارہ جو عوام کی خواہشات اور ان کے مسائل کو ساتھ لے کر چلتا تھا یہ بہت ضروری ہے کہ وہ واپس اسی نوعیت کے کام پر آئے ۔دوسری طرف اس بات پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ حکومت کی جو پالیسیاں تھیں جن میں ہم ہر وقت شامل تھے اور ہم سے ان کے بارے میں مشورہ بھی کیا جاتا تھا۔اب ہم سے کوئی مشورہ نہیں کرتا۔ مجھ سے ذاتی طور مشورہ پر کر لیتے ہیں لیکن ادارے سے کوئی مشورہ نہیں کیا جاتا۔ادارہ کہاں کھڑا ہے؟

آخر میں انور راشد کے بارے میں، میں یہ کہوں گا کہ ان کی کچھ صفات تھیں جن کا ذکر کیا جا چکا ہے ۔انہوں نے ڈاکٹر اختر حمید خان کی سوچ کو اپنایا۔اسی طرح پروین میں بھی کچھ صفات تھیں جس کی وجہ سے وہ ان کی شاگرد بنیں اور آپ میں سے بہت لوگ یہاں ایسے بیٹھے ہیں جن میں خواہشات تھیں کہ کچھ عوام کا بھلا ہو جس کی وجہ سے آپ اس سوچ میں شامل ہیں ۔ڈاکٹر صاحب کا بنیادی فلسفہ یہ تھا کہ یہ جو سرمایہ دارانہ نظام ہے اس پر غریب آدمی کا قبضہ کرنا ضروری ہے ۔اور یہ قبضہ تب ہی ممکن ہے جب یہ اس کی ترقی کا حصہ بنے گا۔شہر میں ہاؤسنگ پالیسیاں، کچی آبادی کی

پالیسیاں، صفائی کی پالیسی، پانی کی پالیسیاں بنیں اب یہ دوسری بات ہے کہ ان پر عمل نہیں ہوا۔لیکن یہ تمام پالیسیاں او پی پی اور یو آر سی کی شمولیت کی وجہ سے بنیں۔

اب میں ڈاکٹر صاحب کے تشکیل کردہ چند اصول جس پر ادارے کو چلنا تھا وہ بیان کر دیتا ہوں۔ پہلا اصول یہ ہے کہ ادارہ عوام دوست ہوگا۔ دوسرا اصول "it will have an informed public" یعنی اس کو سہارا دینے کے لیے ایک باشعور پبلک ہوگی۔ اور عوام کو باشعور بنانے میں جو محنت ہوئی ہے آپ اس محنت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ حکومت کے جو پالیسی ساز ادارے ہیں ان سے رشتہ (تعلق) رہے گا۔ چنانچہ ہر پنج سالہ منصوبوں اور رہاؤسنگ پالیسی کا حصہ رہے ہیں۔ جن اداروں میں حکومت کے لوگ تربیت یافتہ ہوتے تھے ہم وہاں لیکچر دیتے تھے اور سیمینار کرتے تھے۔ میں ایک آخری اصول بیان کرتا ہوں کہ ترقی کے حوالے سے جو عالمی بحث ہے ہمیں اس کا حصہ بننا پڑے گا۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو نرگسیت میں مر جائیں گے۔ ایک چیز "publish or perish" تھی۔ ڈاکومینٹیشن نکالو ورنہ ختم ہو جاؤ گے۔ ڈاکٹر صاحب ایک بات کو بہت اہمیت دیتے تھے وہ کہتے تھے کہ ادارے کے اکاؤنٹس پبلک ہونے چاہئیں تاکہ ساری دنیا ان اکاؤنٹس کو دیکھ سکے اور احتساب کر سکے۔ یہاں میں بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ 2016 میں نے چیئرمین شپ سے استعفیٰ دیا تھا اس کے بعد میں کبھی او پی پی کے دفتر نہیں گیا۔ اور نہ ہی میرا اس سے کوئی واسطہ یا رشتہ رہا۔

کاشف اینتھونی (نیشنل کمیشن جسٹس اینڈ پیس چرچ آرگنائزیشن): میری انور راشد سے کبھی ذاتی ملاقات نہیں ہوئی لیکن آج غائبانہ طور پر ان سے اور ان کے کام سے تعارف ہوا۔ میں ان کی مخلصی، ایمانداری اور انہوں نے ہمارے معاشرے میں جو کچھ بھی کیا ہے ان کا بہت شکر گزار ہوں۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کی آواز بنے جو اپنے حق کے لیے آواز نہیں اٹھا سکتے تھے میں ان کا متشکر ہوں۔

محمد یونس (یو آر سی): انور راشد کی زندگی اور ان کے کام کے بارے میں بہت ساری باتیں ہوئیں۔ انور راشد نے بہت سارے ادارے بنائے ہیں۔ اداروں کو بناتے گئے اور ان کو فروغ

دیتے رہے اور ان کا سہارا بنتے رہے۔ ایک طرح سے ان کا یہ ہی کام تھا۔ انہوں نے ڈاکٹر اختر حمید خان کے کام کو پورے پاکستان میں پھیلایا اور اسے آگے بڑھایا۔ مگر ایک ادارہ جس کے وہ قائدین میں سے تھے۔ جسے انہوں نے عارف حسن، پروین رحمان اور دوسرے دوستوں کے ساتھ مل کر بنایا یہ اربن ریسورس سینٹر ہے۔ اربن ریسورس سینٹر کو بنانے میں، اس کو فروغ دینے میں انور راشد کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔ اس ادارے سے جتنی بھی مہمات چلیں، جو بڑے بڑے میگا پراجیکٹس تھے ان میں انور راشد کی مشاورت شامل تھی۔ ہم مل کر رات دیر تک ان مہموں کی منصوبہ بندی کرتے تھے کہ کس طرح لوگوں کو منظم کریں؟ کیا کام کریں۔ یہ کام 1990 سے 2013 (جب تک پروین زندہ تھیں) تک چلتا رہا۔ کئی پراجیکٹ آئے جن میں مہم چلائی گئیں۔ جس میں کراچی ماس ٹرانزٹ، گریٹر سیوریج پلان، ناردرن بائی پاس، لیاری ایکسپریس وے شامل ہیں۔ ان پراجیکٹس میں نہ صرف بحث ومباحثہ کیا گیا بلکہ ان میں بہت ساری تبدیلیاں بھی کی گئیں۔ کئی منصوبوں کو ان سرگرمی کے نتیجے میں روکا بھی گیا جبکہ بہت سے پراجیکٹس میں تبدیلیاں بھی کروائی گئی ہیں۔ اس میں سب سے اہم بات یہ ہے یہ ایک مشترکہ جدوجہد تھی جس میں انور راشد، پروین رحمان، عارف صاحب، نعمان صاحب اور دیگر کا اشتراک شامل تھا۔ اس میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ کمیونٹی اور شہر کے سارے لوگ ہمارے ساتھ تھے اور ان کی وجہ سے ہی یہ ممکن ہوا۔ کیونکہ اربن ریسورس سینٹر کا مقصد یہی ہے کہ ترقی کے عمل میں لوگوں کی شمولیت کو یقینی بنایا جائے۔

آپ تمام لوگوں کا بہت شکریہ کے آپ آئے۔ ہم انور راشد کے افکار اور کام کے بارے میں ضرور کچھ شائع کریں گے تاکہ اس کی کام کو آگے بڑھایا جاسکے۔

زاہد فاروق: یو آر سی آپ تمام ساتھیوں کی آمد پر شکر گزار ہے۔ آج ہم سب یہاں انور راشد کو اور ان کے کام کو دہرانے بیٹھے تھے۔ بہت سارے دوست کراچی سے باہر سے آئے جن کا مقصد راشد صاحب کو یاد کرنا تھا۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ آپ تمام ساتھی اپنی اپنی ذات میں اپنے کام میں انور راشد صاحب کی سوچ اور فلسفہ کو ضرور یاد رکھیں گے۔ بہت شکریہ

بنام پروین رحمٰن

تم اک نہتی لڑکی سے ڈر گئے

ایک معصوم چڑیا کے بچے سے تم ڈر گئے

کتنے ڈرپوک ہو کتنے بزدل ہو تم

بلبلوں کی چہک ،بادلوں کی نمی،ٹھنڈے پانی کے جھرنے سے

تم ڈر گئے؟

کتنے ڈرپوک ہو کتنے بزدل ہو تم

مار سکتے ہو تم ایک پروین کو

تم مگر فکر کو سوچ کو مار سکتے نہیں

عزم وہمت، ارادہ کی اس پختگی کو

بڑھا وادیا، کم نہیں کرسکے

علم کی روشنی پھیلتی جائیگی

گوٹھ،کھلیان میں سر پر سایہ یونہی پھیلتا جائے گا

جن کے پیروں میں جوتی نہیں

ان لبوں پر تبسم بھکر جائے گا

لہلہاتے ہوئے کھیت میں

چوڑیوں کی کھنک ،گال پر رقص کرتی ہوئی بالیاں

اس محبت کے پیغام کو امن کے دوش پر عام کرتی رہے گی

سن لو ڈرپوک قاتلوں ۔۔۔ہم اکیلے نہیں

ہم اکیلے نہیں

شاعر: انور راشد

You got scared

You got scared
of an innocent fledging little bird
like all cowards
how easily scared you are
The twitter of nightingales
the softness of the clouds
the refreshing spray of cold water
has scared you
like all cowards
how easily scared you are
You can kill one Parween
but you cannot kill
the power of an idea
what you have done
has increased commitment and courage
and sense of purpose
The light of knowledge
will continue to spread
and with it awareness
in the villages and fields
On the lips of those
who have no shoes
there will be the smile of contentment
in the dancing fields
the sound of bangles
on the cheeks of the workers
the glitter of earings
These symbols of love
are messages to the enemies of peace
listen to them cowardly assassin
for we are not alone
we are not alone

(Poetry Amwer Rashid)-
(Translated from Urdu by Arif Hasan)

حاضرین نشست

انور راشد۔۔۔ایک نظر میں!

(1948 تا 2022)

انڈیا (پٹنہ شہر) میں پیدا ہونے والے انور راشد کے بارے میں کون جان سکتا تھا کہ وہ بڑے ہو کر غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک بنیں گے۔ جامعہ کراچی میں لیکچرار جیسے سنجیدہ عہدہ پر فائز رہے۔ 1983 میں ڈاکٹر اختر حمید کے احترام میں اورنگی پائلٹ پروجیکٹ سے وابستگی اختیار کرتے ہوئے لیکچررشپ کو خیر باد کہہ دیا۔ یہ وابستگی آخری سانسوں تک نبھائی۔

ڈاکٹر صاحب نے ان کی صلاحیتوں کی بناء پر انہیں جو بھی ذمہ داریاں تفویض کیں۔ ان ذمہ داریوں کو انور راشد نے کمال خوبی سے ادا کیا بالخصوص مائکرو کریڈٹ پروگرام وہ بہت کامیابی کے ساتھ لیکر چلے۔ اور اس میں کئی نئی راہیں ہموار کیں۔ ترقیاتی کاموں میں کمیونٹی کی شراکت بہت اچھے سے سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے انتقال کے بعد اپنی ذمہ داریوں کو پہلے سے زیادہ سنجیدگی سے نبھایا۔ یہ وہی دور تھا جب پروین رحمان اور انور راشد ڈاکٹر صاحب کے فلسفہ کو لیکر مزید آگے بڑھتے گئے۔ مگر جب پروین رحمان کی بے وقت موت ہوئی تب بھی انور راشد نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے ادارہ کے کام کو رکنے نہیں دیا اسے ہمیشہ آگے بڑھایا۔ اربن ریسورس سینٹر کے وائس چیئر مین تھے۔ یو آر سی کے کاموں میں بہت دلچسپی لیتے۔ بلکہ یو آر سی کو "شہری ترقی میں عوام کی شمولیت" کی عملی مثال کہتے تھے۔

اپنی ذات میں سادہ درویش آدمی تھے۔ مادیت پرستی سے بہت دور، صاحب مطالعہ تھے۔ ادبی ذوق رکھتے بلکہ اکثر شعر بھی کہا کرتے۔ ان کی نظم "تم اک نہتی لڑکی سے ڈر گئے" نے بے پناہ مقبولیت حاصل کی جو انہوں نے اپنی ساتھی پروین رحمان کے قتل پر بہت دکھ کے ساتھ کہی تھی۔ مگر افسوس کہ انور راشد کا کلام محفوظ نہ ہو سکا۔

باوجود اس کے کہ انہوں نے اپنی تمام وفاداریاں اورنگی پائلٹ پروجیکٹ کے ساتھ نبھائیں لیکن ان کے اندر کا ایک لاابالی پن ہمیشہ سلامت رہا۔ اپنے ساتھیوں کی فکر کرتے۔ اپنے ماتحت عملہ کے ساتھ ان کا انداز خاصا دوستانہ تھا۔

ستم یہ کہ انہیں کینسر جیسی بیماری نے آن گھیرا لیکن اس کے باوجود وہ جواں مردی کی مثال بنے رہے۔ بیماری نے ان کے جسم کو ضرور متاثر کیا ورنہ تو ان کی روح، ان کا مزاج، ان کی شوخی یہ سب تو سلامت ہی تھی۔ ان کی گھن گرج والی آواز آج تک سماعتوں میں محفوظ ہے۔

کل اس کی آنکھ نے کیا زندہ گفتگو کی تھی
گمان تک نہ ہوا وہ بچھڑنے والا ہے

(امید فاضلی)

اربن ریسورس سینٹر

ویسٹ لینڈ ٹریڈ سینٹر A-2 دوسری منزل، شہید ملت روڈ، نزد بلوچ کالونی پُل۔ کراچی

021-34387692 urckhi@yahoo.com

www.urckarachi.org fb.com/urckhi @urckhi

قیمت Rs. 150/=